یہ جو تمہارا میرا رشتہ ہے

سعدیہ امل کاشف

کتابی شکل: پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

یہ جو تمہارا میرا رشتہ ہے۔۔۔۔ سعدیہ امل کاشف

"مبارک ہو' آپ کے لئے خوشخبری ہے۔" ڈاکٹر ثانیہ کے الفاظ نے روشین کے کانوں میں گویا ایک رس گھولا تھا۔ خوشی اور مسرت کا اک خوبصورت احساس گہرائی سے اس کے رگ رگ میں اترا تھا۔ وہ اندر ہی اندر فرطِ مسرت سے جھومنے لگی تھی۔ شادی کے سات سال بعد اس جملے کو سن پائی تھی' جس کو سننے کی خاطر اس کی سماعتیں ترس گئی تھیں۔ اس نے نہ صرف اس جملے کو سنا تھا' بلکہ دل کی گہرائی سے محسوس کیا تھا' ساتھ ہی کرسی پہ بیٹھے ہوئے راحیل کے ہونٹوں پر بھی حیرت بھری مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے بھائی! اتنی بڑی خبر پہ اتنا عام سا رسپانس' یہ وہ خبر ہے کہ جس کا انتظار تم دونوں نے کئی سالوں سے کیا ہے۔" ڈاکٹر ثانیہ ان کی خاموشی پہ حیران تھیں۔

"پہلے مجھے یقین دلا دو ثانیہ کہ یہ خبر حقیقت ہے' مجھے یقین نہیں آ رہا۔" روشین کی آنکھیں نمی سے جھلملا رہی تھیں۔

"یہ میں نہیں کہہ رہی' یہ تمہاری رپورٹس کہہ رہی ہیں۔ اگر زیادہ بے یقینی ہے' تو آؤ میں تمہارا اسکین بھی کیے دیتی ہوں۔" ثانیہ نے مسکرا کے کہا' اور روشین چہرے کے اوپر اپنا ہاتھ رکھے آہستہ آہستہ رونے لگی۔ بعض اوقات خوشی بھی آنسوؤں کو ساتھ لئے آتی ہے' رونے کے علاوہ خوش ہونے کا کوئی اور طریقہ نظر نہیں آتا۔

"آپ تو جانتی ہی ہیں ڈاکٹر ثانیہ! کہ ہم نے اولاد کے حصول کے لئے کیا کچھ نہیں کیا' سات سال کا اک طویل عرصہ اس انتظار میں گزر گیا' اور اب کہ جب ہم نے ہر کوشش چھوڑ دی' جب ہم ہار مان گئے تو قدرت نے ہمیں نواز دیا۔" راحیل بھی اسی بے یقینی کے زیرِ اثر بولا۔

"یہی تو اللہ کی ذات ہے راحیل بھائی! یہی تو اس کی قدرت ہے' کہ وہ ہاں سے دیتا ہے دکھاتا ہے' جہاں پہ عقل دنگ رہ جاتی ہے' اور وہ وہاں سے نوازتا ہے' جہاں پہ ہر امید دم توڑ چکی ہوتی ہے۔ اس کی قدرت کمال ہے' اور اس کا کرم بے حساب۔" ثانیہ نے کہا۔ راحیل اور روشین دونوں نے اسے تسلیم کیا۔ ثانیہ اپنی کرسی سے اٹھی اور روشین کے پاس آئی۔

"اولاد نہ دینا اس کی آزمائش تھی' اور تم دونوں اس آزمائش میں پورا اترے ہو' اور اب اس کی طرف سے یہ تحفہ تمہارے لئے انعام ہے روشین! اپنا اور اس کا خیال رکھو' اور اللہ کا بے پناہ شکریہ ادا کرو' کہ تم لوگ اس کی طرف سے نوازے گئے ہو۔"

"کوئی خطرے کی بات تو نہیں ہے ناں۔" وہ ثانیہ کی طرف اپنائیت بھری آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

"کوئی خطرے کی بات نہیں' میں کچھ دوائیاں لکھ دیتی ہوں' روزانہ ان کا استعمال کرنا' اچھی غذا لینا' اور جی بھر کے آرام کرنا۔ حمل کوئی بیماری نہیں ہوتی۔ ان دنوں میں بھی عورت بھرپور زندگی گزار سکتی ہے۔ تم اس عرصے کو مکمل طور پہ انجوائے کرو اور اپنے ہر ہر احساس کو ایک اچھی ماں کے طور پر ڈائری میں قلمبند کرو۔ میں جانتی ہوں کہ میری دوست ایک بہت اچھی افسانہ نویس ہے۔" ثانیہ اپنے پیڈ پہ دوائیاں لکھتے ہوئے بولی' اور پھر دوائیوں کا پرچہ انہیں پکڑا دیا۔ وہ دونوں جانے کے لئے اٹھے۔

"بس کوئی وزن مت اٹھانا' اپنا کمرہ اوپر سے نیچے شفٹ کرلو' بار بار سیڑھیاں چڑھنے سے گریز کرنا' اور گھر کا کام بھی احتیاط سے کرنا۔" ثانیہ بحیثیت ایک ڈاکٹر کے اسے ہدایات دیتی رہی۔ ثانیہ اور روشین بیس سال پرانی سہیلیاں تھیں۔ دونوں نے انٹر تک ایک ساتھ پڑھا' پھر ثانیہ نے میڈیکل کی تعلیم کا آغاز کیا' اور روشین کی کم عمری میں شادی ہو گئی' لیکن دوریاں ان کی دوستی میں فرق نہ لا سکیں۔

دورانِ تعلیم بھی ثانیہ نے روشین کے لئے اپنا وقت نکالا' اور اسے لے کر کئی ڈاکٹرز کے پاس آئی' لیکن آٹھ سال

تک اسے کوئی اولاد نہیں ہوئی' اور اب جبکہ وہ توقع ہی چھوڑ بیٹھی تھی' تب اسے اللہ نے نوازنے کی ٹھان لی تھی۔ راحیل اور روشین دل سے بہت خوش تھے۔

...☆☆☆...

"نجانے تمہاری طرف سے کب کوئی خوشخبری سننے کو ملے گی؟ کب ہمارے کانوں کو شہنائیوں کی آواز سننے کو ملے گی؟ ہمارے تو کان ترس گئے ہیں۔" فاطمہ نے چائے کا کپ اس کی طرف بڑھایا۔ وہ جو عدنان کے ساتھ مل کر شطرنج کھیلنے میں مصروف تھا' مسکرا دیا۔

"ایک تو تم نے اور عدنان نے جلدی جلدی شادی کر کے بچے پیدا کر لئے' اور مجھے بوڑھا د کھانے کے لئے تم دونوں نے ہر ممکن کوشش کی' اور اب بھی میری آزادی تم دونوں سے برداشت نہیں ہوتی۔" عادل نے جوابی وار کیا۔

"میں نے تو سمجھداری کی ہے یار! یونیورسٹی کا سب سے چمکدار روشن ستارہ گھر لے آیا' اور اللہ کا شکر ہے کہ دو پالے پالے بچے بھی ہو گئے۔" عدنان نے گول مٹول سے اذین کو اٹھا کے اپنی گود میں لیا' اور اس کے گال کی ایک بھرپور پپی لی۔ اس کے پیار بھرے کمنٹس پہ فاطمہ مسکرا دی۔

"میرے لئے بھی کوئی دھندلا سا ہی سہی ستارہ تلاش تو کر لیتے' آج اس طرح تمہیں اور فاطمہ کو فکر تو نہ کھائے جاتی' میرے کنوارے رہ جانے کی۔" اس نے شطرنج کی چال چلتے ہوئے کہا۔

"عدنان اس کی باتوں پہ یقین مت کیجئے گا' اوّل نمبر کا جھوٹا ہے یہ' مجھے پتہ ہے اس کا کوئی نہ کوئی چکر ہے ضرور۔ ہر وقت موبائل سے چپکا رہتا ہے۔ کال آئے تو فوراً ٹیرس میں بھاگ کے سنتا ہے۔ ایک کے بعد ایک ایس ایم ایس ٹائپ کرتا رہتا ہے۔ یہ اوّل نمبر کا پا کھنڈی ہے۔" فاطمہ نے گویا اس کی پول کھول دینے کی ٹھان رکھی تھی' اور

عادل سوائے ہنسنے کے اور کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔ اسے پتہ ہی نہ تھا کہ فاطمہ کی آبزرویشن اتنی شارپ ہے۔

"پھر تو اس سے اگلوانا ہی پڑے گا' بتا بے کون مل گئی ہے تجھے؟" عدنان' اذین کو صوفہ پہ لٹا کے اس کی طرف لپکا' اور اسے دونوں شانوں سے تھام لیا۔ عادل کے قہقہے چھوٹے سے فلیٹ میں گونجنے لگے۔

"کوئی نہیں ہے یار! کوئی بھی نہیں ہے۔" وہ مسلسل انکار کر رہا تھا۔

"ٹھہریں ایڈی! یہ ایسے نہیں بتائے گا' آپ ذرا اسے اسی طرح پکڑیں میں خبر لیتی ہوں اس کی۔" فاطمہ جو چار سالہ زارا کو کھانا کھلا رہی تھی' دوڑی دوڑی ان دونوں کے پاس آئی' عدنان نے عادل کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے' اور فاطمہ اس کا موبائل جیب سے نکالنے لگی۔ عادل ہنسی میں لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ بچے یہ منظر دیکھ کے حیران تھے۔ انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا' کہ وہ تینوں خوش ہو رہے ہیں' یا لڑائی کر رہے ہیں۔ زارا آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھ رہی تھی اور اذین رونے لگ گیا۔ فاطمہ نے اس کا موبائل نکال لیا' اور اسے چیک کرنے کی غرض سے دور بھاگی۔

"بتاتا ہوں' بتاتا ہوں' فاطمہ موبائل دے دو مجھے۔" وہ گویا ہار مان گیا تھا۔ عدنان نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔

"بتاؤ کون ہے وہ؟" فاطمہ اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

"شانزے... شانزے نام ہے اس کا۔"

اس نے پہلی بار اپنے دل کا راز ان دونوں کے سامنے کھولا تھا۔

"اور کون ہے؟ کہاں رہتی ہے؟ کیا کرتی ہے؟" فاطمہ نے ایک ہی سانس میں سوالوں کا تانتا باندھ دیا۔

"یار عدنان! تمہاری بیوی کو تو ایف بی آئی طرح کی کسی ایجنسی میں ہونا چاہیئے تھا' کس رفتار سے سوالات کرتی ہے' ہمت ہے تمہاری کیسے ہینڈل کرتے ہو اس کو تم۔" عادل کی بات پہ عدنان نے کندھے اچکائے۔

"اب بات کو تبدیل مت کرو تم فراڈیئے' بتاؤ کون ہے وہ؟" فاطمہ نے اس پہ چڑھائی کر دی۔

"کولیگ ہے میری' ان فیکٹ ایچ آر مینیجر ہے' دو سال سے ساتھ کام کر رہے ہیں' اور اسی نے مجھے پرپوز کیا تھا۔"

عادل نے اعتراف کیا۔

"میں بھی کہوں کہ کس طرح معاملہ چل نکلا' تم نے تو زندگی بھر پرپوز نہیں کرنا تھا اسے۔" فاطمہ نے کہا' اور پھر

عادل اپنی اور شانزے کی محبت کی داستان تفصیل سے سنانے لگا۔

اسی طرح تھی ان تینوں کی دوستی' لڑتے تھے' جھگڑتے تھے' ناراض ہوتے تھے' مگر ایک دوسرے سے الگ ہونے کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ دوستی کے گھنے شجر کی چھاؤں تلے بیٹھے بیٹھے دس سال کس طرح گزر گئے' انہیں پتہ ہی نہ چلا۔

یونیورسٹی کی چار سالہ تعلیم اکٹھے حاصل کی' اور اس کے بعد کا عرصہ بھی اکٹھے گزارا' گو کہ عدنان اور فاطمہ آپس میں شریکِ حیات تھے' لیکن دونوں کی حیات عادل کے بغیر ادھوری تھی۔ فاطمہ ہر پریشانی عادل سے شیئر کرتی' اور عدنان کے دل کا دوست بھی عادل ہی تھا' اور تو اور دونوں کے چھوٹے چھوٹے بچے زارا اور اذین بھی عادل سے زیادہ اٹیچ تھے۔

زندگی ایک خوبصورت بہاؤ کے ساتھ موج در موج سفر میں تھی' اور زندگی میں کوئی درد' کوئی غم نہیں تھا۔ وہ تینوں ایک ہی شجر کی تین ٹہنیاں تھیں۔ دور ہو کر بھی پاس تھیں' اور ایک ہی طرح سے سانس لیتی تھیں۔

...☆☆☆...

"آج کا دن میری زندگی کا سب سے حسین دن ہے راحیل! مجھے بالکل یقین نہیں آرہا کہ ثانیہ نے جو کچھ کہا ہے' وہ سچ ہے۔" گاڑی میں بیٹھتی ہوئی روشین کے چہرے پہ بے انتہا مسرت اور تازگی تھی۔

"یہ ثانیہ نے نہیں تمہاری رپورٹس نے کہا ہے' اور میری جان! حسین دن کہاں' حسین دن تو اور آنے ہیں' ابھی تو ہم نے بہت سی خوشیوں کو اک ساتھ مل کے دیکھنا ہے' بہت سے حسین دن' بہت سی جگمگاتی راتیں۔" راحیل کا چہرہ بھی اندرونی خوشی کا غماز تھا۔

"راحیل... راحیل وہ ہماری گود میں ہو گا' اس کے ننھے ہاتھ' نازک گلابی پاؤں' چھوٹا سا خوبصورت چہرہ۔" روشین کی آنکھیں خوشی سے نم ہونے لگی تھیں۔

"تمہیں اس طرح خوش دیکھنے کے لئے میری آنکھیں ترس گئی تھیں۔" سگنل پہ گاڑی روک کے وہ اس کی طرف پیار سے دیکھ کے بولا۔

"عورت جتنی بھی کوشش کرلے خوش رہنے کی' اگر وہ ماں نہ بنے تو وہ مکمل نہیں ہوتی۔ آج راحیل آج' میں خود کو مکمل محسوس کر رہی ہوں' آج کہ جب مجھے احساس ہوا ہے کہ میری کوکھ میں بھی کوئی پھول کھلا ہے

کہ جب میں نے اپنے بچے کے دل کے دھڑکنے کی آواز سنی ہے۔ راحیل تمہاری روشین آج مکمل ہوئی ہے' آج ہی اس نے اپنے آپ کو پہچانا ہے۔" روشین کا روم روم سراپا روشنی تھا' گنگنا رہا تھا' جھلملا رہا تھا۔

آئی لو یو روشین! میں تمہیں ہمیشہ ہمیشہ اسی طرح خوش' اور اسی طرح مسکراتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرے لئے" تمہاری خوشی سے زیادہ اہم اور کچھ نہیں۔" اس نے اپنی خوبصورت بیوی کا ہاتھ تھام لیا۔ آج وہ دونوں کسی نئی روح کی آمد کی خبر سن کر بہت خوش تھے۔ ان دونوں کی روحیں اک نئی خوشی اور نئی چمک سے سرشار تھیں۔

چلو آج ہم تینوں کہیں باہر کھانا کھاتے ہیں۔" روشین نے کھلکھلا کے کہا۔"

تینوں...؟" وہ حیران ہوا' جان بوجھ کر۔"

ہاں' میں آپ اور ہماری محبت کی نشانی۔" وہ بولی۔"

ہاں جی اب تو ہر جگہ یہ ننھے موصوف ساتھ ہوں گے' ہماری خوبصورت بیوی کے پاس' ہمارے لئے بالکل وقت" نہیں ہو گا۔" اس نے مصنوعی طرز پہ منہ پھلایا۔

اتنے سال تو بیوی کا سر کھایا ہے' اچھا ہے اب بیچاری بیوی کا دھیان ہی بٹا رہے گا۔ اس کے کام' اس کی باتیں' اس" کی شرارتیں' ہماری زندگی کتنی مصروف ہو جائے گی ناں راحیل۔" وہ تخیل کی مدد سے بہت آگے جانے کی کوشش میں گم تھی۔

جی ہاں' پھر آپ سے اپوائنمنٹ لینی پڑے گی' ملنے اور دیکھنے کے لئے بھی۔" راحیل نے کہا۔"

ایسی جلنے والی باتیں نہیں کرو راحیل! میں تمہاری بھی اتنی ہی رہوں گی' جتنی کہ اس کی' وہ ہماری زندگی کا اک نیا" اور خوبصورت باب ہو گا۔ ہمیں وہ بالکل بھی الگ نہیں کرے گا' بلکہ ہمیں اور نزدیک لے آئے گا' اور ہمیں تاعمر ایک ایسی زنجیر میں باندھ دے گا کہ ہم مر کے بھی الگ نہیں ہو پائیں گے۔" وہ اک خوشنما احساس کے زیر اثر بولی۔

راحیل لمحہ لمحہ اس کے خوبصورت احساسات کو دیکھ کر انجوائے کر رہا تھا۔

"کیا کھاؤ گی؟ چائینز یا دیسی؟"

کچھ چٹپٹا' باربی کیو کا موڈ ہے۔" وہ فوراً بولی اور راحیل نے مسکرا کر گاڑی ایک باربی کیو ریسٹورنٹ کی طرف موڑ" دی۔

...☆☆☆...

”کہاں گئے ہیں موصوف اور کب لوٹے گا؟“ عادل‘ عدنان کی غیر موجودگی کی خبر سن کر صوفے پہ ہی ڈھے گیا تھا‘ اور ساتھ ہی کھلونوں سے کھیلتے ڈیڑھ سالہ اذین کو اٹھا کے اپنے اوپر بٹھا دیا تھا۔ اذین اس کا مانوس چہرہ دیکھتے ہی خوشی سے ہاتھ پاؤں ہوا میں لہرانے لگا‘ اور اس کے چہرے پہ ایک بھرپور مسکراہٹ آ گئی۔

”کسی میٹنگ میں گئے تھے۔ دفتر سے تو چھ بجے فارغ ہو گئے تھے‘ پھر کسی کے ساتھ میٹنگ تھی۔“ فاطمہ اپنے امریکن سٹائل کچن میں چائے رکھتے‘ اور اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ چھوٹے سے سلیب کے پارٹیشن کے علاوہ پورا کچن کھلا تھا‘ یا پھر یہ کہنا درست ہو گا کہ کچن لاؤنج ہی کا حصہ تھا۔

”یہ راتوں کو کون سے دفتر لگنے لگے ہیں‘ ذرا نظر رکھا کرو اپنے مجازی خدا پر‘ کہیں کسی بلبل کی زلفوں کا اسیر نہ ہو گیا ہو۔“ عادل نے اذین کو کھلاتے اور پچکارتے ہوئے کہا۔

”اتنا تو بیوقوف وہ شکل سے بھی نہیں لگتا کہ میرے جیسی بیوی کو چھوڑ کے ادھر ادھر منہ مارتا پھرے۔“ فاطمہ نے بلا کے اعتماد کے ساتھ کہا۔

”ایک تو تم بیویاں بلا کی پراؤڈ ہوتی ہو‘ زعم اور غرور تو تمہارے اندر سے ایسے ٹپکتا ہے‘ جیسے گلاب جامن اور جلیبی سے شیرہ۔“ عادل نے چڑھائی کی۔

”ہاں تو ہونا بھی چاہئے‘ احساس کمتری میں جکڑی بیویاں خود کو جلا جلا کے کالا کر ڈالتی ہیں۔ نیند کی گولیاں کھا کھا کے

سوتی اور موٹی ہوتی ہیں۔ اور مجبوراً شوہر کو کسی اور نازنین کی طرف مائل ہونا پڑتا ہے۔" فاطمہ کپ میں چائے ڈال کے اس کے پاس لے آئی۔ وہ اذین کو اٹھا کے سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔

"تو تمہارا خیال ہے تم خوبصورت ہو۔" وہ مگ اٹھا کے اسے چڑانے کی غرض سے بولا۔

"تو کیا نہیں ہوں؟" وہ بھی پُراعتماد تھی۔

"پتہ نہیں، کبھی غور سے نہیں دیکھا۔" وہ ٹال گیا۔

"جانے دو، جانے دو، بڑے آئے مجھ سے بحث میں جیتنے والے، میں کوئی مس شانزے نہیں کہ تمہاری ہر بات پہ یقین کر لوں، اور تمہاری باتوں میں آجاؤں۔ بھول گئے یونیورسٹی ڈبیٹنگ سوسائٹی کی صدر رہ چکی ہوں۔" فاطمہ نے بسکٹ اٹھا کے اذین کے ہاتھ میں پکڑائے۔

"ہاں کیسے بھول سکتا ہوں، میں ہی تو تھا، جو تمہاری تقریروں پہ تالیاں بجانے کے لئے فٹ پاتھ سے لوگ پکڑ پکڑ کر لاتا تھا، اور فنکشن کے اختتام پر انہیں دس دس روپے بھی اپنی جیب سے دیتا تھا۔" عادل گانے گا گا کے بلاتی ہے۔ ہر کام دونوں باری باری کرتے ہیں۔ اگر بچوں نے واش روم جانا ہو تو ایک بار فاطمہ لے جائے گی اگلی بار عدنان، ایک وقت کا کھانا عدنان باہر سے لائے گا، تو رات کا کھانا فاطمہ بنائے گی۔ دفتر جاتے ہوئے فاطمہ گاڑی چلائے گی، آتے ہوئے عدنان، ان کی زندگی بہت آئیڈیل ہے شانزے۔" عادل نے اسے تفصیل بتائی۔

"اچھا اچھا اب اور تعریفیں مت کرو میں جلنے لگوں گی۔" وہ بسوری۔

"کب ملو گی ان سے بہت زور دیا ہے فاطمہ نے۔"

"کبھی مل لوں گی۔" اس نے ٹالنے کی کوشش کی۔

"پرسوں ان کی آٹھویں ویڈنگ اینورسری ہے' ہم دونوں چلیں گے ان کو سرپرائزِش کریں گے۔"

دیکھوں گی اگر فارغ ہوئی تو چلوں گی۔" شانزے نے پھر ٹال مٹول کی۔ عادل خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔"

شانزے کو منانا بہت مشکل کام تھا۔

...☆☆☆...

راحیل ہم بے بی کے لئے کون سے کمرے کی نرسری بنائیں؟ اس والے کی یا پھر اپنے بیڈروم کے پاس والے کی۔""

روشین ہاتھ میں ڈائری اور قلم پکڑے کمپیوٹر پہ کام کرتے راحیل کے پاس آئی۔

جو تمہاری مرضی بنالو' بس یہ کوشش کرنا کہ ہمارے کمرے کے آس پاس ہو۔" راحیل نے کمپیوٹر سکرین کی"

طرف دیکھتے دیکھتے جواب دیا۔

پھر اپنے کمرے کے ہی ایک کونے میں کیوں نہ بنالوں؟ یوں بھی میں اسے اپنے سے دور تھوڑی رکھ پاؤں گی۔""

روشین کے چہرے پہ اک روشنی سی پھوٹی۔

تمہیں جو کرنا ہے کرو میری جان! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" راحیل کے ہر ہر لفظ میں اس کے لئے پیار تھا' تنہائی"

کے ان آٹھ برسوں میں اگر راحیل کی بے پناہ محبت نہ ہوتی' تو شاید اس کے لئے زندہ رہنا مشکل ہوجاتا۔

اچھا آپ کا تو جیسے وہ کچھ لگتا ہی نہیں ہے ناں' آپ اسی طرح بس دفتر کے کام کرتے رہنا' دفتر ہی آپ کی زندگی ہے"

' اور دفتر ہی رشتے دار۔" وہ خفا ہوئی۔

اوہو! حکم کریں میری جان! کیا کرنا ہے' میری تو جان بھی حاضر ہے آپ دونوں کے لئے۔" وہ کمپیوٹر سے"

دھیان ہٹا کے بیوی کی طرف متوجہ ہوا۔

میری مدد کریں راحیل! مجھے اپنے بچے کے ویلکم کے لئے بہت ... بہت ... بہت کچھ کرنا ہے۔" وہ کھڑے "کھڑے اپنے پاؤں پہ گھوم گئی تھی۔ راحیل نے اٹھ کے اسے تھام لیا۔

آرام سے... آرام سے میری زندگی! آرام سے... آپ حکم کرو' راحیل کی جان بھی آپ کی خدمت میں حاضر "ہے۔"

بولئے کیا کرنا ہے؟" وہ اس کے ہمراہ کمرے کے اندر آ گیا تھا۔ ان دونوں کا کمرہ ابھی تک اسی طرح تھا' جس "طرح ان کی شادی کے وقت تھا۔ نیا نویلا اور روشن روشن! روشین نے شادی کے بعد کے کئی خوبصورت لمحے سامنے کی دیوار پہ چھوٹی چھوٹی فریم شدہ تصویروں کی صورت لگا دیئے تھے۔ اس نے اپنی چھوٹی سی جنت کو خوب سجا کے رکھا تھا۔

یہ میں کچھ پیارے پیارے بچوں کی تصویریں لے آئی ہوں راحیل! پلیز انہیں سامنے والی الماری پہ' واش روم کے "اور کمرے کے دروازے پہ لگا دیں۔" روشین نے پوسٹر سائز تصاویر اس کے حوالے کیں۔

اس سے کیا ہو گا؟" وہ تصاویر دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔ "

اس سے یہ ہو گا کہ ہمہ وقت میری آنکھوں کے سامنے خوبصورت اور پیارے پیارے بچوں کی تصویریں ہوں گی' "اور میرا بچہ بھی ان کی طرح خوبصورت ہو گا۔" وہ ہر لمحہ کچھ اچھے اچھے تخیلات کے گھیرے میں رہنے لگی تھی۔

لیکن میرا مشورہ ہے کہ آپ کو اپنی تصاویر ہر جگہ لگائے رکھنی چاہئیں تاکہ ہمارا آنے والا بچہ آپ کی طرح ہو' بالکل "آپ جیسی آنکھیں' آپ جیسے ہونٹ' اور ایک پیارا سا دل۔" راحیل نے اس کی ننھی سی ناک کو انگلی سے چھوا۔

مجھے تو بالکل آپ کے جیسا بیٹا چاہئے۔" وہ بولی۔ "

مطلب موٹا اور گول مٹول۔" وہ خود ہی اپنا مذاق اڑا رہا تھا' روشین نے مکا بنا کے اس کے کندھے پہ مارا۔"

دکھاؤ مجھے تصاویر' میں لگا دیتا ہوں۔" وہ تصاویر اٹھا کے روشین کی بتائی جگہوں پہ چسپاں کرنے لگا' کچھ ہی دیر میں"

الماری کے اوپر' دیوار پر' دروازوں پر پیارے پیارے سفید غیر ملکی بچوں کی تصاویر مسکرانے لگیں۔

روشین اپنے تخیل کی انگلیوں سے اپنے بچے کے خال و خد دیکھ رہی تھی۔ اپنی گود میں نرم و ملائم وجود کو سمیٹ کے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ سفید گول نازک سا چہرہ سیاہ آنکھوں کے اوپر بھنوؤں کی پتلی سی لکیر' دو ننھی ننھی گلابی مٹھیاں' ہوا میں لہراتی ہوئی اور چھوٹا سا وجود۔

اور کوئی حکم...؟" راحیل کی آواز اسے باہری دنیا میں واپس کھینچ لائی تھی۔"

آج شام سے ہم نے شاپنگ شروع کرنی ہے' بہت ساری شاپنگ ہے اور بچے کی آمد میں فقط آٹھ ماہ۔ اس کے" آنے سے پہلے ہم نے پورا گھر اس کی چیزوں سے بھر دینا ہے۔ اس کے کپڑے' اس کے بستر' اس کے کھلونے' اس کے تولیے' ہر جگہ بس وہ ہی وہ' وہ ہی وہ' نہ میں نہ آپ' فقط ہمارا بچہ۔" روشین کی خواہش پہلے محبت کا روپ دھاری پھر دیوانگی کا اور اب دیوانگی انتظار میں ڈھل گئی تھی۔ وہ بے صبری سے منتظر تھی۔

...☆☆☆...

لو بھئی مل لو ان سے یہ ہیں شانزے اور شانزے یہ ہیں عدنان اور فاطمہ' اور ان کے دو پیارے پیارے بچے۔" عادل" ان کا تعارف کروا رہا تھا۔

شانزے ہاتھ ملا کے سب سے ملی' بلیک کلر کے جارجٹ سوٹ میں وہ بہت دیدہ زیب لگ رہی تھی۔

تم سے بہت بہت شکایتیں کرنی ہیں اس گدھے کی۔ اس کے ذرا کان کھینچ کے رکھا کرو۔" فاطمہ اپنی ازلی فرینک نیس کے تحت شانزے سے اس کی شکایت کر رہی تھی۔

میاں اب تم بھی گئے کام سے' ہماری ہی طرح۔" عدنان نے عادل کے کندھے پہ دھپ دے مارا' وہ مسکرایا۔"

پتہ ہے شانزے! یہ موصوف یونیورسٹی کی ہر لڑکی کو دیکھ کر سیٹیاں مارتے تھے' ہر ہفتے نئی گرل فرینڈ کے ساتھ" ڈیٹ مارتے تھے' میری سہیلیوں کو چٹھیاں لکھ لکھ کر اپنی محبت کا یقین دلاتے تھے' نجانے کتنی لڑکیوں سے جینے مرنے کے وعدے کر چکے تھے۔" فاطمہ نے لاؤنج میں بیٹھتے ہی مزاح کے طور پر کہا۔

کیا واقعی عادل...؟" شانزے نے اسے گھورا' وہ سادگی سے مسکرا رہا تھا۔"

ارے نہیں نہیں شانزے جی! فاطمہ مذاق کر رہی ہے۔ عادل تو بہت شریف النفس اور ریزرو قسم کا بندہ تھا۔ اس" سے تو کوئی لڑکی مکمل طور پہ دیکھی بھی نہیں جاتی تھی۔" عدنان نے حقیقت بتائی۔

ایک بار میں نے ایک لڑکی کو دیکھ کر کہا۔ "دیکھو عادل! اس پہ سبز چنری کتنی پیاری لگ رہی ہے' تو کہنے لگا کہ یہ" چنری کیا ہوتی ہے؟" عدنان کی بات پہ فاطمہ اور عادل دونوں کھلکھلا کے ہنس دیئے۔ شانزے نے فقط مسکرانے پہ اکتفا کیا۔

ہاں واقعی بہت بدھو تھا' کیفے ٹیریا میں جہاں سبھی لڑکے لڑکیوں کو لائن مارنے جاتے تھے' وہاں یہ موصوف بیٹھ" کے زوالوجی کے پریکٹیکل لکھتے تھے۔ کوئی لڑکی بات بھی کرے تو باجی باجی کہہ کے اسے روانہ کر دیتے تھے۔" فاطمہ نے مزید اضافہ کیا۔

اس کے بعد بھی وہ دونوں بہت دیر تک عادل کی باتیں کرتے رہے' ہنستے رہے' کھلکھلاتے رہے' آپس میں ہنسی

مذاق کرتے رہے' تالیاں مارتے اور جوکس شیئر کرتے رہے' لیکن وہ ان میں نہیں تھی۔ اسے عادل کا اس طرح ان لوگوں سے ہنسی مذاق کرنا شانزے کو بالکل پسند نہیں آرہا تھا۔ وہ ان تینوں کے درمیان خود کو بہت ان فٹ محسوس کر رہی تھی۔ بہت ان ایزی محسوس کر رہی تھی۔

اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا کرے؟ کیا بولے؟ کہاں ہنسے؟ کہاں مسکرائے؟ اجنبیت کا اک نادیدہ احساس اس کے رُوم رُوم میں پیدا ہو رہا تھا۔

"میں کیوں آگئی عادل کے ساتھ یہاں؟ اس سے بہتر تھا کہ میں کسی شاپنگ پلازہ میں وقت گزار لیتی یا کہیں فاسٹ فوڈ لے لیتی' عادل کو بھی مجھے یہاں گھسیٹ لانا لازمی تھا؟ اس کے دوست ہیں' وہ خود ہی نبھاتا پھرے دوستیاں۔" وہ کھانے کی ٹیبل پہ بیٹھی اسی طرح اندر ہی اندر کڑھ رہی تھی۔ فاطمہ نے بھی اس کا گریز اور اس کی اداسی بخوبی محسوس کی' اور وہ مستقل اسے دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لوازمات کی چیزیں باری باری اٹھا کے اس کے سامنے پیش کر رہی تھی۔ بالآخر اس کا صبر جواب دے گیا' اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں جا رہی ہوں عادل! مجھے ایک ضروری کام یاد آگیا ہے۔" وہ اٹھی اور اپنا پرس سنبھالنے لگی۔

"کیا ہوا شانزے؟ کہاں جا رہی ہو؟" فاطمہ نے پیار سے پوچھا۔

"وہ مجھے یاد آگیا کہ مجھے ممی ڈیڈی کے ساتھ کسی فنکشن میں جانا تھا' میں پھر کبھی آجاؤں گی۔" وہ بہانہ بنا کے بولی۔

"میں چلوں شانزے۔" عادل اپنی جگہ سے اٹھا۔

"نہیں اٹس اوکے' تم انجوائے کرو' میں چلی جاؤں گی۔" وہ فوراً یہ کہتی پلٹی اور چلی گئی۔ عادل' فاطمہ اور عدنان تینوں ایک دوسرے کا چہرہ دیکھتے رہ گئے۔

محبت مار دیتی ہے

محبت کا سفر کر کے

کہ خود کو دربدر کر کے

مٹا کر ہر خوشی اپنی

اسے پانے کی چاہت میں

کہ خوابوں کی مسافت میں

بس اتنا جان پائے ہم

محبت مار دیتی ہے...!

سرجری کی کلاس میں تھیوری پڑھتی ماہا حسن کا دھیان نہ اپنی کتاب میں تھا' اور نہ لیکچر پر۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ڈاکٹر ذوالفقار احمد تھے' اور ان کا چہرہ اسے پوری کائنات پہ چھاتا سا محسوس ہو رہا تھا۔ کلاس روم پچھتر (75) طلباء اور پوری دنیا اس ایک چہرے کے پیچھے سمٹی جا رہی تھی۔ وہ فقط اسی چہرے کو دیکھ رہی تھی' سوچ رہی تھی' محسوس کر رہی تھی۔

دو سال سے وہ ڈاکٹر ذوالفقار کی سٹوڈنٹ تھی' اور دو سال سے ہی وہ ایک عجیب اور یکطرفہ رشتے کی ڈور میں خود کو بندھا ہوا پا رہی تھی۔ اس کی یہ دیوانگی بعض اوقات اس کے دل کا روگ بن جاتی' نہ کچھ کہہ پاتی' نہ لکھ پاتی' نہ اظہار و اقرار کی لذت پا سکتی' اور نہ اس آوارہ جذبے سے فرار پا سکتی' کچھ عمر کے کچے خوابوں نے اس کی ساری عمر پہ قبضہ کر

لیا تھا۔ میڈیکل کی تعلیم جو انتہائی مشکل تھی' اسے مکمل کرپانا مشکل سا ہو گیا تھا۔ کلاس میں وہ ذوالفقار کو دیکھتی' تو گویا دنیا ختم ہو جاتی اور روح زمین پہ فقط ایک ہی ہستی رہ جاتی' ڈاکٹر ذوالفقار احمد' وہ بولتے' اپنے مخصوص انداز میں بال سنوارتے' انگریزی اور اردو کے فقروں کو اپنی من مرضی کا موڑ دیتے' وہ بلا کے فنکار آدمی تھے۔

عمر میں اس سے دگنے بڑے تھے' لیکن پھر بھی ان کی شخصیت اور ذات میں ہر وہ ساحرانہ خوبی تھی' جو اس کا دل مٹھی تھی' کہ ماہا حسن کے دل کا سیارہ فقط اسی کے گرد Axialrotation میں لے لیتی تھی۔ ان کی ذات میں کوئی ایسی گھومتا' اور وہ ساری دنیا بھلا کے فقط اسی کو سوچتی' اسی کو چاہتی' اور اس کی ہی بن جانا چاہتی۔ اس کی سب سے قریبی سہیلی ماریہ بھی اس کی اس عادت سے نالاں رہتی۔

"یار تمہیں کیا ہو جاتا ہے ڈاکٹر ذوالفقار کی کلاس میں' کیوں تم بدھو بنی انہیں دیکھتی رہتی ہو؟ آج بھی جب انہوں نے سوال کیا' اور جواب دینے کو کہا' تو تم نے کہا کہ تم نے سوال ہی نہیں سنا' واٹ از دس نان سینس۔" کلاس سے باہر آتے ہی ماریہ اس پہ برس پڑی۔

"کیا کروں یار! انہیں دیکھوں تو دل قابو میں نہیں رہتا۔" وہ اعترافاً بول پڑی۔

"جانے دو یار! جانے دو۔ تمہاری ان فیلنگز کی کوئی حیثیت نہیں' بے کار ہیں تمہارے یہ جذبے' ان کی کوئی حقیقت نہیں۔" ماریہ نے کہا۔

"کیسے کہہ سکتی ہو تم کہ ان جذبوں کی کوئی حقیقت نہیں' مجھے محبت ہے ڈاکٹر زلفی سے' میں انہیں بہت بہت چاہتی ہوں۔" وہ دشت جذبات کے زیر اثر بولی۔

"لیکن وہ تمہیں نہیں چاہتے میری جان! ان کی اور تمہاری عمر میں کم از کم بیس برس کا فرق ہے۔ ان کا بارہ سال کا بیٹا

ہو چکی ہے' اور وہ ہمارے پروفیسر ہیں' یہ ممکن نہیں ماہا۔" ماریہ Accidental death ہے' ان کی بیوی کی نے اسے سمجھایا۔

"ماریہ! مجھے یہ سب باتیں پتہ ہیں' آج سے نہیں پچھلے دو سال سے' لیکن ان باتوں کو میرا دل نہیں مانتا' بالکل نہیں مانتا۔ اگر ہم خدا سے محبت کریں تو کیا نہیں کر سکتے؟ اس لئے کہ وہ خدا ہے' ہم اسے دیکھ نہیں سکتے' چھو نہیں سکتے یا پھر ہم اسے پیار کرنے کے لائق نہیں' گنہگار ہیں' خطا کار ہیں' ادنیٰ سے انسان ہیں؟ کیا یہ تمام جواز دل کو خدا کی محبت سے دور رکھ سکتے ہیں؟" وہ کمال سنجیدگی سے بولی۔

"وہ خدا نہیں ہے ماہا' وہ خدا بالکل نہیں ہے' خدا سے محبت کرنے کا حق ہے ہر انسان کو جبکہ انسانوں سے محبت دیکھ بھال کے کرنی پڑتی ہے۔" ماریہ نے نئی دلیل دی۔

"وہ محبت ہی کیا ماریہ' جو دیکھ بھال کے کرنی پڑے؟ محبت کرنے کا حق ہر دل کو خدا نے خود دیا ہے۔ میری محبت کسی نے میرے اندر وحی کی طرح نازل کی' قسم لے لو تم میں نے جان بوجھ کر کوئی فیلنگ اپنے دل میں نہیں پالی' کسی قسم کی غلط نیت نہیں ہے میری' لیکن پتہ نہیں کیوں میں اس احساس سے نکل نہیں پا رہی۔ سر کی ذات میری زندگی کے اوپر حاوی ہو گئی ہے۔ ان کے بغیر میں کچھ نہیں۔" وہ سنجیدہ اور شدت پسند لڑکی دل کی گہرائیوں سے کہہ رہی تھی۔

"تو پھر بتا دو انہیں' چھپائے کیوں بیٹھی ہو' کہہ دو ان سے کہ تم انہیں چاہتی ہو" ماریہ کی دلیلیں ختم ہو گئی تھیں۔

"یہی کرنا تو مشکل ہے دوست! یہی کہنا تو بہت مشکل ہے۔" وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"تو پھر یہ کب تک چلے گا؟ میں تو کہتی ہوں تم کسی طرح اسے بھلانے کی کوشش کرو' کچھ تو کرو کہ اس کا خیال تمہارے دل سے نکل جائے' ورنہ تم نہ پڑھائی مکمل کر پاؤ گی' اور نہ ہی سکون سے رہ پاؤ گی۔" ماریہ نے مشورہ دیا۔

"اسے بھلادوں' جس کے علاوہ ساری دنیا بھلا بیٹھی ہوں؟ اس کے سوال کا کوئی جواب ماریہ کے پاس نہ تھا۔

"تم پاگل ہو گئی ہو ماہا حسن' بالکل پاگل' جگہ پہ نہیں ہے تمہارا دماغ' توازن کھو بیٹھا ہے اپنا۔" ماریہ اسے دیر تک ٹوکتی رہی اور وہ فقط مسکراتی رہی۔ اسے اپنی محبت پہ کوئی پچھتاوانہ تھا۔ اسے اپنی محبت پہ ناز تھا' زعم تھا' فخر تھا اور یہ فخر اس کی زندگی کا سہارا تھا۔

☆☆☆...

"یہ دیکھو راحیل! میں ناموں کی کتاب لے آئی ہوں' پوری دنیا میں رکھے جانے والے اسلامی نام۔" روشین نے ایک موٹی سی کتاب اس کے سامنے رکھی' وہ جو ابھی دفتر سے واپس آ کے بیڈ پہ لیٹا تھا' متوجہ ہوا۔

"اچھا جی تو میری خوبصورت بیوی نے کیا کیا نام سلیکٹ کیے؟" وہ بولا۔

"بہت بہت سے پیارے نام ہیں' نئے ہیں' جیسے اذان' اریز' عمار' عاشان' عالیان وغیرہ وغیرہ۔"

"تو کون سا نام فائنل کیا آپ نے؟"

"ایسے کیسے فائنل کر سکتی ہوں کوئی نام؟ آپ نے بھی اپنی رائے دینی ہے۔" وہ بولی۔

"ہاں تو پہلے یہ طے کرنا پڑے گا ناں کہ ہمیں کس طرح کا نام چاہیئے؟ کس حرف سے ہو؟ اور کس طرح کا ہو؟ چھوٹا ہو' بڑا ہو' یا پھر درمیانہ؟" راحیل نے ہمیشہ کی طرح اپنی فلاسفی شروع کی۔

"منیجر صاحب! یہ چھوٹا بڑا' درمیانہ' پلس مائنس اپنے پاس سنبھال کے رکھیں' مجھے تو بس ایسا نام چاہیئے جس میں

آپ کے نام کی گونج ہو۔" روشین کے پور پور میں شوہر کے لئے پیار تھا۔

"تو پھر ایسا کرتے ہیں شرجیل یا عدیل یا شمیل رکھتے ہیں نام بچے کا۔"

"کیا آپ نے بھی پرانے اور سڑے ہوئے نام نکال رکھے ہیں' میں نے ایک نیا نام سوچا ہے۔" اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔

"اچھا جی وہ کون سا؟" وہ ہمہ تن گوش تھا۔

"اَبیل... اَبیل علی خان جیسے آپ ہیں راحیل علی خان' کتنا پیارا لگے گاناں۔" اس نام کی گونج روشین اپنے اندر سن رہی تھی۔

"واہ نام تو بہت پیارا ہے' مطلب کیا ہے اس کا' اور یہ لڑکے کا نام ہے یا لڑکی کا؟" راحیل کو یہ نام حقیقتاً بہت پسند آیا تھا۔

"اَبیل کا مطلب ہے جنت کا پھول' اور یہ نام لڑکی کا بھی ہو سکتا ہے' لڑکے کا بھی' دونوں پر سوٹ کرے گا' جس طرح فرخ نام کے لڑکے بھی ہوتے ہیں' لڑکیاں بھی' مصباح نام کے لڑکے بھی ہوتے ہیں' لڑکیاں بھی' اسی طرح ہماری اَبیل یا ہمارا اَبیل کیا فرق پڑے گا۔" روشین نے اسے سمجھایا۔

"چلو تو پھر ڈن ہے۔ یہ نام بہت پیارا ہے' اور مبارک نام ہے' اور الگ بھی' چلیں جی آج نام بھی فائنل ہو گیا۔ امی کو لاہور فون کر کے بتا دینا تم نے نام سلیکٹ کر لیا ہے' اور انہیں کہو کہ کچھ دنوں کے لئے آجائیں' اور تمہاری ان ایکٹی وٹیز میں تمہاری مدد کریں۔ اس حالت میں تمہارا اتنا چلنا پھرنا ٹھیک نہیں۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

"امی کو مت بتانا کہ میں نے بچے کے لئے شاپنگ یا نرسری کی ڈیکوریشن شروع کر دی ہے' پتہ ہے تمہیں بڑی بوڑھیاں روکتی ہیں قبل از وقت کوئی تیاری کرنے سے واہمے ہوتے ہیں' ان کے دل میں بہت' ان کا خیال ہوتا ہے کہ بچہ ہو جائے پھر سب آجاتا ہے۔" روشین نے بتایا۔

''ہاں تو اگر بڑے بوڑھے کہتے ہیں' تو ٹھیک ہی کہتے ہوں گے' تم فی الحال یہ تیاریاں روک دو روشین۔'' راحیل کے دل میں بھی اک خدشے نے سر اٹھایا۔

''راحیل میں اس خوبصورت عرصے کو انجوائے نہ کروں؟ جسے اتنی مشکل سے پایا ہے' اس کی آمد کی خوشیاں نہ مناؤں؟ اللہ نے مجھے عطا کیا ہے' تو وہ اس کی حفاظت بھی کرے گا' آپ فکر کیوں کرتے ہیں؟ یہ میری خوشی ہے راحیل' یہ میری زندگی کا سب سے خوبصورت تجربہ ہے۔'' اس خوشگوار تجربے کا ہر ہر لمحہ اس کی آنکھوں میں چمک رہا تھا' راحیل میں اسے روکنے کی بالکل ہمت نہ تھی۔

''او کے میری زندگی جو آپ چاہو وہ کرو' میں آپ کو نہیں روکوں گا۔'' وہ بولا' روشین مسکرا دی۔

''پوچھ سکتا ہوں' کل تمہارے اس طرح چلے آنے کی وجہ کیا تھی؟ فاطمہ اور عدنان نے کتنا گلٹی فیل کیا۔'' اگلے دن وہ آفس پہنچتے ہی سیدھا شانزے کے ڈیپارٹمنٹ میں آ گیا تھا۔

''بتایا تو تھا کہ کام تھا کوئی ضروری' اس لئے چلی آئی اور یوں بھی میں بہت ان ایزی فیل کر رہی تھی۔'' وہ بہت مطمئن لہجے میں بولی۔

''کیا کہا' ان ایزی فیل کر رہی تھیں؟ مگر کیوں؟ فاطمہ اور عدنان اتنے اچھے ہیں' اتنے محبت کرنے والے اور کیئرنگ۔'' عادل نے گویا اسے یقین دلانا چاہا۔

''تو میں نے کب کہا کہ وہ لونگ اور کیئرنگ نہیں' بس مجھے ان کی کمپنی پسند نہیں آئی۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''پوچھ سکتا ہوں کیوں؟'' وہ غصے سے بولا۔

''کیونکہ وہ تمہارے دوست ہیں' تمہاری ٹائپ کے ہیں' تم انہیں برسوں سے جانتے ہو' میرا ان سے کبھی کوئی واسطہ

نہیں پڑا' اور تم میرے اوپر اپنا آرڈر لاگو نہیں کر سکتے کہ میں ان سے ملوں جلوں' یا ان سے سلام دعا رکھوں۔" وہ انتہائی کرخت انداز میں گویا ہوئی' وہ تلملا سا گیا تھا۔

"میں نے تمہیں فورس نہیں کیا تھا' میں تو بس ان کو اپنی پسند دکھانے لے گیا تھا' مجھے کیا پتہ تھا کہ میری پسند کو میرے دوست اور ان کی کمپنی ناگوار گزرے گی۔" وہ بولا۔

"میں نے تو اس طرح کے دوست کہیں نہیں دیکھے' بلاوجہ ہنسنا' بلاوجہ تالیاں مارنا' سوری ٹو سے عادل' لیکن مجھے یہ بالکل پسند نہیں کہ تم اس کی وائف سے اس طرح فرینک ہو' لوئر کلاس کے لوگوں کو یوں بھی تعلقات بڑھانے اور غیر ضروری رابطے بڑھانے کا شوق ہوتا ہے۔" شانزے نے ذو معنی انداز میں کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ کس کی بات کر رہی ہو تم؟"

"اسی مس فاطمہ کی' بہت شوق ہے ناں اسے اپنے ہزبینڈ کے فرینڈ سے تعلقات بڑھانے کا' بے وجہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کی پلیٹ میں کیچپ ڈال کے سینڈوچ کھانے کا۔" شانزے کے لفظ لفظ میں طنز کی کاٹ تھی۔ وہ تلملا گیا تھا۔ اپنے اوپر مشکل سے کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"مائنڈ یور لینگوئج شانزے! فاطمہ ایسی نہیں ہے۔ میں اسے پچھلے دس برس سے جانتا ہوں۔ ہم نے ساتھ کھایا ہے' پیا ہے' وہ مجھے دوست اور بھائی کی حیثیت سے محبت کرتی ہے اور کچھ نہیں۔" وہ بولا۔

"اب بھی مجھ سے اس کی وجہ سے جھگڑ رہے ہو' عادل ہوش میں رہ کے مجھ سے بات کرو' اور اپنا لہجہ درست رکھو' آج تک میرے اپنے فادر نے بھی اس لہجے میں مجھ سے بات نہیں کی۔" غصہ شانزے کی آنکھوں میں بھی چھلک رہا تھا۔

"اگر تمہارے فادر تم سے کبھی اس لہجے میں بات کر کے تمہیں سمجھا دیتے ناں تو شاید آج تم کسی اور سے اس لہجے میں بات نہ کرتیں۔ کسی پہ تہمت لگانے سے پہلے سوچ لیا کرو کہ اس کا کیا اثر پڑ سکتا ہے' کیونکہ اگر مجھے اپنا کچھ سمجھتی ہوگی ناں تو یقینا میرے مزاج کا اثر تم پہ بھی پڑے گا' اور میرے دل کی بری حالت تم اپنے دل پہ بھی جھیلو گی۔" انگلی

سے تنبیہ کرتا ہوا وہ شانزے کے آفس سے باہر نکل گیا' دیر تک شیشے کا دروازہ ہلتا رہا۔ شانزے کو کوئی پشیمانی نہیں تھی' کیونکہ پشیمان ہونا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

...☆☆☆...

چپ کے عالم میں وہ تصویر سی صورت اس کی

بولتی ہے تو بدل جاتی ہے' رنگت اس کی

سیڑھیاں چڑھتے اچانک وہ ملی تھی مجھ کو

اس کی آواز میں موجود تھی حیرت اس کی

کسی ٹھہری ہوئی ساعت کی طرح مہر بہ لب

مجھ سے دیکھی نہیں جاتی ہے اذیت اس کی

آنکھ رکھتے ہو تو اس کی آنکھ کی تحریر پڑھو

منہ سے اقرار نہ کرنا تو ہے عادت اس کی

خود وہ آغوش کشادہ ہے جزیرے کی طرح

پھیلے دریاؤں کے مانند محبت اس کی

روشنی روح کی آتی ہے مگر چھن چھن کر

سست رو ابر کا ٹکڑا ہے طبیعت اس کی

دل دھڑکتا ہے تو وہ آنکھ بلاتی ہے مجھے

سانس آتی ہے تو ملتی ہے بشارت اس کی

وہ کبھی آنکھ کے جھپکے تو لرز جاتا ہوں

مجھ کو اس سے بھی زیادہ ہے ضرورت اس کی

وہ کہیں جان لے ریت کا ٹیلا ہوں میں

میرے کاندھوں پہ ہے تعمیر عمارت اس کی

وہ اگر جا بھی چکا ہے تو نہ آنکھیں کھولو

ابھی محسوس کیے جاؤ رفاقت اس کی

ڈاکٹر ذوالفقار احمد کے چاروں طرف فقط ایک ہی ذات تھی' فائزہ ذوالفقار' اور اس ایک ذات میں اس کی پوری کائنات تھی۔

وہ ذات اس کے اوپر اتنی بری طرح حاوی رہتی تھی' کہ وہ ارد گرد کی دنیا سے تعلق توڑ دیتا تھا' اور فقط اس ایک ذات کا ہو جاتا تھا' وہ ذات جس کا پچھلے چار برس سے کوئی وجود نہ تھا' وہ ذات جسے' وہ خود چار برس قبل منوں مٹی تلے دفنا آیا تھا' جس وجود کے حسین و جمیل چہرے کو وہ خاک میں ملا آیا تھا' وہ وجود آج بھی اس کے ارد گرد بکھرا تھا' اس کی خوشبو' اس کی تصویریں' اس کی یادیں' اور اس کی محبت وہ نہ ہو کے بھی کہیں تھی' بلکہ شاید وہ ہر طرف' ہر سو' ہر آن تھی' سگریٹ کے نازک تیرتے دھوئیں کی لکیروں میں کمرے میں اڑتے سایوں میں' آسمان کی گود میں' چمکتے ڈھیروں ڈھیر ستاروں میں' گرم بگولوں میں' ہوا کے نرم جھونکوں میں' آنکھوں میں' روح میں' وہ آج بھی زندہ تھی۔

ہاں فائزہ ذوالفقار آج تک جا نہ سکی تھی' نہ اس گھر سے' اور نہ ذوالفقار کے دل سے۔ اس نے بڑی کوشش کی تھی کہ ان آٹھ نو سالوں کی قید سے فرار پا سکے' جو اس نے فائزہ کے وصال کی نرم چھاؤں میں گزارے تھے' لیکن وہ آج تک ناکام رہا تھا۔

فائزہ کی گرفت اس کی زندگی پہ بہت مضبوط تھی۔ وہ چلی گئی تھی۔ اس کا وجود مٹی میں مٹی بن چکا تھا۔ اس کی روح آسمانوں کو پرواز کر گئی تھی' لیکن اس کی وہ گرفت رہ گئی تھی' اور اس گرفت کے سفاک پنجوں میں تنہا کلبلاتی تھی' ذوالفقار احمد کی زندہ لاش' جو کہ نہ تو مٹی میں ملی تھی اور نہ اس کی روح پرواز ہوئی تھی' لیکن وہ پھر بھی موت سے بھی زیادہ اذیت خود پہ جھیلتا تھا' نہ زندہ رہ پاتا تھا' نہ مرتا تھا۔

کئی بار خود کو سمجھاتا' ذوالفقار احمد! تم اکیلے نہیں کہ جس کی بیوی مری ہے' لاکھوں' کروڑوں ہیں' جو اپنے ساتھی کھو دیتے ہیں' مگر زندہ رہتے ہیں۔ تمہاری طرح کھوکھلے نہیں ہوتے۔ تمہاری طرح بھر بھرے اور بوسیدہ نہیں ہو جاتے' تمہاری طرح زندہ لاش نہیں بن جاتے' تمہاری طرح شجر سے ٹوٹے پتوں کو نہیں کھنگالتے رہتے۔

بہت لمبا عرصہ ہوتا ہے چار برس کسی کو بھلانے کیلئے۔ لوگ تیسرے دن چہرے تک کو بھول جاتے ہیں' تم مردہ انسان کی پرچھائیوں کے تعاقب میں بھاگ رہے ہو؟

''میں کیا کروں... میں کیا کروں؟ وہ مجھے نہیں بھولتی' وہ مجھے اپنا آپ بھولنے نہیں دیتی۔ وہ کہتی ہے میں ہوں' میں یہیں ہوں' میں یہیں کہیں آس پاس ہوں۔'' ذوالفقار احمد نے شیشے کا گلاس زور سے ٹیبل پہ دے مارا۔ اس کی کرچیاں دور تک بکھر گئیں اور اس میں ٹمٹماتی برانڈی بھی پورے کمرے میں پھیل گئی۔

وہ شراب کا سہارا لے کر فائزہ کی یاد سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا' لیکن مدہوش ہوتے ہی فائزہ کا تخیل گوشت پوست اوڑھ لیتا' اور وہ پھر کسی خوش رنگ ساڑی میں اس کے سامنے ہوتی' اسی انداز سے مسکراتی' دل چراتی اور گنگناتی ہوئی۔

فائزہ کے جانے کے بعد اس کا چھلاوہ اس کی روح کے اندر بس گیا تھا۔ وہ آدھا پاگل ہو گیا تھا۔

ارسلان نے اپنے والد کو آج پھر نیم پاگل پن کی حرکتیں کرتے گلاس ڈور کی پرلی طرف سے دیکھ لیا تھا' اور وہ بھی اس حالت پہ فقط افسوس کے سوا کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ کرتا بھی تو کیا' کہ اس کے باپ کی موت اس کی ماں کے ساتھ ہی ہو گئی تھی' اور بارہ سالہ ارسلان اس دن سے تنہا تھا۔

"فرخندہ بی! ایک بات پوچھوں' جواب دو گی تم؟" صوفے پہ لیٹے ٹی وی چینلز سے کھیلتے ہوئے ارسلان نے اپنی بزرگ آیا سے پوچھا تھا۔

"پوچھو بیٹا کیا پوچھنا ہے؟" فرخندہ بی فرش پہ بیٹھی مٹر چھیل رہی تھی۔

"ہم لوگ ممی کی تصویریں دیوار سے اتار کیوں نہیں دیتے۔" وہ بولا۔ فرخندہ بی کو حیرت ہوئی۔ ارسلان نے ایسی بات پہلے کبھی نہیں کی تھی۔

"آئے ہائے' کیوں اتاریں یہ تصویریں' صاحب نے خود بڑی بڑی کر کے لگائی ہیں پورے گھر میں' ہر ہر کونے میں' ہر جگہ یوں لگتا ہے بیگم صاحبہ موجود ہیں۔" فرخندہ بی کی رگ رگ میں صاحب اور بیگم کے نمک کی وفاداری تھی۔

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ وہ ہر جگہ موجود ہیں' اور مجھے خوف آتا ہے ان کی موجودگی سے مرنے والوں کے چہروں سے مجھے یوں بھی ڈر لگتا ہے' اور ممی کی تمام کی تمام تصویریں مجھے رات میں ڈراتی ہیں' مجھے ممی کی آوازیں آتی ہیں' اور میں رات کو سو نہیں سکتا۔" ارسلان کے چہرے پہ عجیب قسم کے الجھاؤ کے تاثرات تھے۔

"کیا کہہ رہے ہو ارسل بیٹا! وہ تمہاری امی تھیں' اور ان کی یادیں اس گھر سے کبھی نہیں جا سکتیں۔" فرخندہ بی نے اسے سمجھایا۔

"فرخندہ بی! میں نے کتاب میں پڑھا ہے کہ شہید کبھی مرتے نہیں' اور میری ممی بھی شہید ہیں۔ بم بلاسٹ میں ماری گئیں' اور اس بات کا یقین مجھے تب آتا ہے جب میں ممی کی تصویروں کو دیکھتا ہوں' کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جب میں

سو جاتا ہوں' ممی اپنی تصویروں سے نکل کے باہر آجاتی ہے' اور پورے گھر میں چلتی ہیں۔

ہندوستانی فلموں نے تمہارا دماغ اچھی طرح سے خراب کر دیا ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔" فرخندہ بی نے اسے ڈانٹا۔"

نہیں فرخندہ بی! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ ممی کی روح اس گھر میں قید ہو گئی ہے۔ میں ڈیڈی کو دیکھتا ہوں' وہ پاگل ہو"

گئے ہیں' کیونکہ انہیں بھی ممی کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ بھی جانتے ہیں کہ ممی یہیں کہیں ہیں۔" ارسلان نے مزید کہا۔

صاحب تو بی بی سے بہت محبت کرتے تھے ناں' اس لئے ان کے غم میں پاگل ہو گئے ہیں' لیکن اس کی وجہ وہ بالکل" نہیں ہے ارسل بابا' جو تم بتا رہے ہو۔ صاحب اور فائزہ بی بی کی محبت تو مثالی محبت تھی۔ میں جانتی ہوں سب کچھ' مجھے علم ہے' میں خود فائزہ بی بی کو اپنے ہاتھوں سے دلہن بنا کے لائی تھی۔ دیوانگی کی حد تک چاہتے تھے ایک دوسرے کو' صاحب اور فائزہ بی بی! رفاقت کے نو سالوں میں کبھی میں نے انہیں جھگڑتے نہ دیکھا' جو صاحب کہتے وہ بی بی کرتیں اور اسی طرح جس بات میں بی بی کی خواہش ہوتی صاحب ہمیشہ وہی کام کرتے۔" فرخندہ بی باتیں کرتے کرتے ماضی کے دروازے پھلانگ گئی تھیں۔

کیا اسٹوریاں لے کے بیٹھ جاتی ہو فرخندہ بی! میں وہ بات نہیں کر رہا' میں یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے اس گھر سے خوف آتا" ہے' ممی مر گئی ہیں' ان کی تصویریں اتار کے اسٹور میں رکھ دو' مجھے یہ گھر آسیب زدہ لگتا ہے' میں چھوڑ جاؤں گا اس گھر کو' چلا جاؤں گا یہاں سے۔ مجھے ایسے گھر میں رہنے کا کوئی شوق نہیں' جہاں زندہ لوگ نہیں مردے رہتے ہوں۔" غصے سے کہتا ہوا ارسلان لاؤنج کو تیز تیز قدموں سے پھلانگتا باہر کی طرف چلا گیا' اور فرخندہ بی اسے دیکھتی رہ گئی۔

...☆☆☆...

"کہاں غائب ہو تم تین دنوں سے' نہ آئے ہو نہ فون کیا ہے؟" فاطمہ چھوٹتے ہی اس پر برس پڑی تھی۔

"میں نے کہاں جانا ہے' یہیں ہوں بس ذرا بزِی تھا کام میں۔" وہ بولا۔

"بزِی کے بچے شکل کیوں نہیں دکھائی تم نے۔ پتہ ہے حرا کی طبیعت دو دن سے کتنی خراب ہے۔" وہ ہمیشہ کی طرح بہت حق سے بولی۔

"کیا ہوا ہے حرا کو؟" وہ حقیقتاً پریشان ہو گیا تھا۔

"ملیریا ہو گیا ہے اسے بری طرح' آج تو کچھ بہتر ہے طبیعت' لیکن دو دن کے بخار نے نڈھال کر دیا ہے اسے۔ کتنی بار تمہارا پوچھ چکی ہے۔"

"دو دن سے بیمار ہے' اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں۔" وہ الٹا فاطمہ پہ غصے ہو رہا تھا۔

"کہاں سے بتاتی' میرے نمبر سے تم فون اٹھا نہیں رہے تھے' آفس فون کیا تو سیٹ پہ نہیں تھے' اس لئے آج مجبوراً عدنان کے سیل سے فون کیا ہے' ہو کیا گیا ہے تمہیں' اس طرح تو کبھی نہیں ہوا کہ تم تین تین دن بچوں سے نہ ملو۔"

"بس یار الجھا ہوا تھا کسی کام میں۔ پھوپھو بھی گھر پہ آئی ہوئی ہیں ناں آج کل' اس لئے گھر پہ وقت گزار رہا ہوں۔" وہ بہانہ بنا کے بولا۔

سلام کہنا پھوپھو کو میرا' حرا ٹھیک ہوتی تو میں ان سے ملنے آجاتی' اور تم فارغ ہو جاؤ تو چکر لگا لینا' رکھتی ہوں"

میں ابھی آتا ہوں حرا سے ملنے کے لئے۔ کھانا تمہارے پاس ہی کھاؤں گا۔" یہ کہہ کے' فون۔" فاطمہ نے کہا۔

اس نے فون رکھ دیا۔ عارفہ پھوپھو چائے مع سینڈ وچز اٹھا کے اس کے پاس آئیں۔ والدین کی وفات کے بعد قریبی

رشتہ داروں میں سے اگر کسی نے اسے دل و جان سے چاہا تھا' اور اہمیت دی تھی تو وہ عارفہ پھوپھو تھیں۔ اب بھی ہر ماہ

اپنے بچوں کو چھوڑ کے وہ چند دن گزارنے اس کے پاس آتی تھیں' گھر کی صفائیاں کرواتیں' اس کی الماریاں

ترتیب دیتیں' کئی ساری ڈشنز بنا کے فریز کر دیتیں۔

فاطمہ کا فون تھا؟ کیا کہہ رہی تھی وہ؟" پھوپھو نے پوچھا۔"

ہاں اسی کا فون تھا' سلام کہہ رہی تھی آپ کو۔" عادل نے جواب دیا۔"

"وعلیکم السلام! کیسی ہے وہ؟"

خود تو ٹھیک ہے' لیکن حرا کی طبیعت خراب بتا رہی ہے۔ کہہ رہی تھی اگر حرا ٹھیک ہوتی تو وہ آپ سے ملنے آجاتی۔" "

عادل نے انہیں بتایا۔

اور تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ چل کے دیکھ ہی آتے' اب اٹھو اور مجھے لے چلو۔" پھوپھو پریشان ہی تو ہو گئی"

تھیں۔

مجھے خود پتہ نہیں تھا' دو دن سے گیا بھی نہیں' اور نہ رابطہ کیا۔" وہ اعترافاً بولا۔"

کیوں نہیں گئے تم؟ ان لوگوں کی وجہ سے تو میں بے فکر رہتی ہوں' اطمینان رہتا ہے تمہاری طرف سے کہ تم ٹھیک"

کھا پی رہے ہو گے' ان سے دور مت ہوا کرو بیٹا' دوستوں کے دم سے تو زندگی میں رونق ہوتی ہے۔ دوست نہ ہو تو

زندگی ویران ہو جائے اور ہر بندہ موت کو گلے لگا لے۔" پھوپھو نے اسے سمجھایا۔

کچھ لوگ تو دوستی کو بھی غلط نام دے دیتے ہیں پھوپھو! کچھ لوگ تو اس رشتے کے تقدس کو سمجھ ہی نہیں پاتے۔" وہ" ذہن میں شانزے کا تصور لا کے بولا تھا۔

اے ہائے دفع دور کرو ایسے لوگوں کو' اور تم وقت ضائع نہ کرو' اٹھو اور مجھے لے چلو فاطمہ کے گھر' بہت اچھی اور" نیک بچی ہے۔ پیار کرنے والی' عزت اور مان دینے والی سلجھی ہوئی لڑکی' میں تو کہتی ہوں تم بھی اس کی کوئی فوٹو کاپی لے آؤ گھر۔" پھوپھو کی بات پہ وہ مسکرا دیا۔

...☆☆☆...

مجھے یقین تھا کہ پھوپھو ضرور آئیں گی۔" فاطمہ نے دروازے سے ہی ان کا بھرپور استقبال کیا تھا۔"

کیسے نہیں آتی بیٹا؟ میرا دل ہول گیا حرا کی طبیعت خرابی کا سن کر' پہلے پتہ ہوتا تو پہلے آجاتی' لیکن عادل نے تو بتایا" ہی نہیں۔" پھوپھو اس سے ملتے ہوئے بولیں۔

یہ موصوف نجانے کس دنیا میں گم رہتے ہیں' تین دن سے غائب ہیں' ہوا بھی نہیں لگنے دی کہ کہاں ہیں؟ ابھی سے یہ" حال ہے شادی ہو جائے گی تو سلام دعا سے بھی جائیں گے ہم۔" فاطمہ نے اسے کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے گلا کیا' وہ آنکھیں چرا گیا۔

حرا کہاں ہے؟" وہ بات گھما کے بولا۔ فاطمہ نے حرا کے کمرے کی طرف اشارہ کیا' وہ ہاتھ میں پکڑے دونوں" شاپرز اٹھائے حرا کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ ان شاپرز میں وہ حرا اور اذین کے لئے ڈھیر ساری چیزیں لایا تھا'

چپس' چاکلیٹ' بسکٹ اور کھلونے۔

کچھ ہی دیر میں دونوں بچے ان چیزوں کے ساتھ مشغول ہو گئے۔ حرا بھی اپنی بیماری بھول کے عادل کی گود میں بیٹھ گئی اور نئی گڑیا سے کھیلنے لگی۔ عدنان پھوپھو کے ہمراہ بیٹھ گیا' اور فاطمہ چائے بنانے چلی گئی۔

دیکھو بچے کتنا پیار کرتے ہیں تم سے' ان سے اس طرح دور مت ہوا کرو تم۔" پھوپھو نے گویا آج قسم ہی کھالی تھی' اس کو شرمندہ کرنے کی۔

نہیں رہوں گا ان سے دور اب پھوپھو' معاف کر دیں میری غلطی اور چھوڑ دیں میری جان۔" وہ ہاتھ جوڑ کے مسکرا" کے معافی مانگنے لگا۔

یار تو ایک دن غائب ہوتا ہے ناں ہمیں خود تشویش ہوتی ہے' اپنی حاضری روز لگایا کر ورنہ تیرے حق میں اچھا نہیں" ہو گا۔" عدنان نے کہا۔

اب تو ایک کھونٹا مل گیا ہے ہمیں عادل کے لئے' جس میں بوقتِ ضرورت ہم اسے باندھ سکتے ہیں۔" فاطمہ" لوازمات کی ٹرالی کے ہمراہ اندر وارد ہوئی۔

ائے ہائے کون سا کھلونا' کس کی بات کر رہی ہو تم؟" پھوپھو کو تشویش ہوئی۔"

کیا پھوپھو کو نہیں بتایا تم نے عادل؟" فاطمہ نے مسکرا کر شرارت سے پوچھا۔"

یہ کہاں کچھ بتاتا ہے' تم لوگ ہی بتا دو۔" پھوپھو نے فوراً کہا۔"

خدا کے لئے فاطمہ اب پول کھولنے نہ بیٹھ جانا تم۔" عادل نے مسکرا کے ہاتھ جوڑے۔"

"اپنی کمپنی کی مینجر ایچ آر سے موصوف نے دوستی کر لی ہے' تاکہ وہ انہیں کسی وجہ سے کمپنی سے فرار نہ ہو۔" فاطمہ نے

مزہ سے سموسہ کھاتے کھاتے بتایا۔

"یہ کیا ماجرا ہے فاطمہ' مجھے صاف صاف لفظوں میں بتاؤ۔" پھوپھو کچھ سمجھ ہی نہ پا رہی تھیں۔ عادل کے سیل پہ رِنگ آنے لگے۔ شانزے کا نام جھلملا رہا تھا۔

"اس کی باتوں میں مت آیئے گا پھوپھو' اس کو یوں بھی شوق ہے بال کی کھال اتارنے کا' شکر ہے اس کی کوئی نند دیورانی اور ساس نہیں ورنہ روز گھر میں جنگِ عظیم بپا ہوتی۔" عادل بھی کہاں پیچھے رہنے والا تھا' فوراً مقابلے پہ اتر آیا۔

"سیل پہ فون مسلسل بجے جا رہا تھا۔ عادل اٹھ کے بالکنی میں آ گیا تھا۔ فون سننے کے لئے' دو دن سے اس نے شانزے سے بھی ٹھیک طرح سے بات نہیں کی تھی' اور شاید وہ خود بھی بات کرنا نہیں چاہ رہی تھی۔ اس کی ناراضگی اسی طرح طوفانی ہوتی تھی' بے وجہ بگڑنا اور کئی کئی دن بات نہ کرنا' آج نجانے اس نے کیسے خود ہی فون کر لیا تھا۔

"ہیلو۔"

"فون کیوں نہیں پک کر رہے تھے تم میرا؟" شانزے سلام دعا کی فارملٹی کے بغیر چھوٹتے ہی بولی۔

"بزی تھا یار' رنگ ٹون کی آواز ہی نہیں آئی۔" اسے شانزے کے غصے سے بہت ڈر لگتا تھا۔

"کہاں بزِی تھے؟" وہ مسلسل سوال کر رہی تھی۔ شک کا بیج اس کے دل کی گہرائی میں بویا جا چکا تھا۔

"دوستوں کے ساتھ تھا۔" وہ بولا۔ تبھی فاطمہ بالکنی کا گلاس ڈور کھول کے اندر آئی۔

"عادل چلو چائے پی لو' ٹھنڈی ہو جائے گی۔" فاطمہ نے کہا۔ فاطمہ کی آواز شانزے نے بھی واضح طور پر سنی تھی' اور اس کے رُوم رُوم میں آگ لگ گئی تھی۔

"میں ابھی آیا۔" وہ بولا۔

"اوہ تو یہ کہو ناں کہ فاطمہ کے ساتھ ہو' اسی لئے میرا فون نہیں ریسیو کر رہے تھے۔" شانزے کے لفظ لفظ میں طنز کا نشتر تھا۔

"شانزے ایسی کوئی بات نہیں' میں پھوپھو کو لے کر عدنان کے گھر آیا تھا۔ اس کی بیٹی حرا کی طبیعت خراب تھی' دیٹس اٹ اور فون کی مجھے آواز نہیں آئی۔" وہ صفائی دیتے ہوئے بولا۔

"مائی فٹ۔" شانزے نے غصے میں ابلتے ہوئے یہ لفظ ادا کیا اور فون رکھ دیا۔ عادل نے بھی غصے میں اپنا ہاتھ دیوار پہ دے مارا۔

"عادل یار کہاں ہو تم' آجاؤ ناں۔" عدنان کی آواز اندر سے آئی تھی۔

"آرہا ہوں' آرہا ہوں۔" وہ اپنے غصے کو کنٹرول کرتا اندر چلا گیا' اس کے بعد بھی وہ مسلسل شانزے کو ایس ایم ایس کرتا رہا' لیکن اس کا کوئی جواب نہ آیا۔ رات کو دیر تک وہ فون ملاتا رہا' لیکن اس نے ایک بھی کال پک نہیں کی' اور بالآخر اس نے موبائل آف کر دیا۔

وہ حقیقتاً بہت پریشان تھا کہ شانزے کو کس طرح ہینڈل کرے' نجانے کچھ لوگ اتنے مشکل کیوں ہوتے ہیں' اور ان کو سنبھالنا' ان کو سمجھانا' ان کے مزاج کا خیال رکھنا اتنا کٹھن کیونکر ہوتا ہے۔

یہ شاید اسی طرح ہے کہ دور سے چمکنے والے اور خوبصورت لگنے والے کانچ ہاتھ میں اٹھاؤ تو انگلیاں زخمی کر دیتے ہیں' ہاتھوں کو لہولہان کر دیتے ہیں۔

...☆☆☆...

"ہاں تو کیا نام ہے تمہارا؟"

"جی میرا نام نازیہ ہے۔" دبلی پتلی اور سانولی عورت نے جواب دیا' جس کی گود میں دو اڑھائی سالہ کمزور سا بچہ تھا۔

"دیکھو مجھے کام والی کی واقعی ضرورت ہے' میں ماں بننے والی ہوں اور ڈاکٹر نے مجھے مسلسل آرام کرنے کا کہا ہے اور کل میری ساس اور نند بھی آرہی ہیں' کشمیر سے اور کھانے وغیرہ کا بھی کام ہو گا' تمہیں کھانا بنانا آتا ہے؟" روشین گویا کام والی کا انٹرویو لے رہی تھی۔

"تھوڑا بہت تو آتا ہے جی' پہلے جس گھر میں کام کرتی تھی وہاں بناتی تھی کھانا۔" وہ بولی۔

"وہاں سے کام کیوں چھوڑا؟" روشین نے پھر سوال کیا۔

"یہ بچہ چھوٹا تھا' اکیلا گھر چھوڑ نہیں سکتی تھی' وہاں لے جاتی تو کام نہیں کر سکتی تھی اس لئے اس باجی نے خود چھٹی دے دی۔" نازیہ نے لاچاری سے کہا۔

"کتنے بچے ہیں تمہارے؟" "جی پانچ ہیں تین بیٹیاں' دو بیٹے۔" نازیہ کے جواب پہ وہ حیرت میں مبتلا ہو گئی' مشکل سے سترہ اٹھارہ سالہ نظر آنے والی عورت کے پانچ بچے۔

"کیا کرتا ہے تمہارا میاں؟"

"درزی تھا' اچھا خاصا کماتا تھا' لیکن بد بخت کو نشے کی لت لگ گئی۔ اب کچھ نہیں کرتا الٹا مجھ سے پیسے مانگ مانگ کے چھین چھین کے اپنا نشہ کرتا ہے' میں اور بچے بھوکوں مرتے رہتے ہیں۔ میں نے تو اپنی دس سالہ بچی کو بھی کسی کے گھر کام پہ کھڑا کر دیا ہے اور میں خود بھی نکل پڑی ہوں' محنت مزدوری کروں گی تو بچوں کو پالوں گی ناں۔"

نازیہ اپنی غربت کی کہانی لے کر بیٹھ گئی۔ روشین کو بھی افسوس ہوا تھا' اور اس نے سوچا تھا کہ اللہ بھی وہیں اولاد جیسی نعمت سے نوازتا ہے' جہاں نہ خواہش ہوتی ہے' اور نہ ضرورت' کچھ لوگ تڑپتے رہتے ہیں' اور انہیں ایک بھی کونپل نہیں ملتی' اور کچھ کو بنا مانگے ہی گلشن مل جاتے ہیں' اور ان کو قدر بھی نہیں ہوتی۔

روشین نے ایک ٹھنڈی سانس باہر نکالی' اور بغور نازیہ کے اڑھائی سالہ بچے کو دیکھنے لگی۔

"کل سے تم کام پہ آجانا' دو ہزار دوں گی' کام زیادہ نہیں ہے' دو ملازم اور بھی ہیں' صرف کچن کا کام ہو گا' تمہارا اور تم بچوں کا کھانا ہمارے ہی گھر سے لے جانا اور کسی قسم کی فکر مت کرنا۔" روشین نے شدید جذبہ رحمدلی کے تحت کہا' اور نازیہ کی خوشی کی انتہا نہیں تھی۔

"اللہ آپ کو بہت دے باجی! اللہ آپ کو بیٹے سے نوازے' اللہ اس کی عمر دراز کرے' آپ کو نظر بد سے بچائے۔" نازیہ کے منہ سے ڈھیروں ڈھیر دعائیں نکلنے لگیں اور روشین کے لئے سب سے خوبصورت دعا اپنے بچے سے متعلق تھی۔

ماں بنتے ہی نجانے ایسا کیا ہو جاتا ہے کہ ہر خواب' ہر رنگ' ہر روشنی اور ہر دعا فقط بچے سے تعلق رکھنے لگتی ہے۔ ہر خوشی بچے کی خوشی بن جاتی ہے' ہر مسکراہٹ اسی سے تعلق جوڑ لیتی ہے' نجانے کیسی کشش رکھی ہے مالک خیر و شر نے اولاد کے اندر۔

...☆☆☆...

"ویری گڈ روشین! ماشاء اللہ سے آٹھواں ہفتہ بخیر و خوبی گزر گیا۔ بے بی کی گروتھ اپنے وقت کے مطابق بالکل

ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر ثانیہ اسے اسٹریچر پہ لٹائے الٹراساؤنڈ مشین سے اس کا اسکین کر رہی تھی۔

"اب چلو آؤ' کچھ ہدایات دینی ہیں تمہیں نیو مام" ثانیہ نے پیار سے کہا۔

"الٹراساؤنڈ مشین سے یہ تصویر باہر نکل آتی ہے۔ آپ اسے لے جایئے گا اور گھر جا کے جب تک چاہیں دیکھئے گا۔" ثانیہ نے مشین کے اندر سے تصویر کا پرنٹ نکالا۔

"ہوسکتا ہے تمہیں اپنے جسم کے کسی حصے پہ بوجھ کا احساس بھی ہو' لیکن یہ تمام احساس آپ نے برداشت کرنے ہیں' آگے اور مشکل سے مشکل مرحلے آئیں گے۔" ثانیہ نے ہمیشہ کی طرح محبت سے کہا' اور وہ کاغذ مع تصویر کے اس کے آگے لہرایا۔

"جو چیز مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے ناں ثانیہ' اس کی خواہش میں نے برسوں سے کی تھی۔ بھیگی بھیگی لرزتی' دعاؤں کا ثمر مجھے اب ملا ہے' اور اس کو پانے کے لئے چاہے مجھے کتنی ہی پتھر کی دیواریں کیوں نہ پھلانگنی پڑیں' کوئی ڈر نہیں۔ میں بس اپنے بچے کو بخیر وعافیت اس دنیا میں لانا چاہتی ہوں۔" روشین نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

"Thats the spirit عورتیں حمل کو بیماری سمجھتی ہیں' اور اسی وجہ سے حمل کا دورانیہ عذاب کی طرح کاٹتی ہیں' اور اپنے سے زیادہ بچے کو مشکل میں ڈالتی ہیں۔ خوراک بند کر لینا' دوائیوں کا استعمال نہ کرنا' دودھ اور دیگر اشیاء روک لینا' مترادف ہے بچے کو نقصان پہنچانے کے۔ اللہ سے دعا کیا کرو' باقی سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ثانیہ کی مسکراہٹ روشین کے حوصلے بلند کر دیا کرتی تھی۔

"اوکے باس' دوبارہ کب آؤں چیک اپ کے لئے؟"

"اپنی دوست سے ملنے تو کبھی بھی آسکتی ہو' لیکن اپنے بے بی سے ملنے چار ہفتے بعد آنا۔" ثانیہ نے کہا۔

"میں اپنے شوق جاری رکھ سکتی ہوں باغبانی اور پینٹنگ؟" روشین نے جاتے جاتے پوچھا۔

"ضرور تم ہر وہ کام کر سکتی ہو' جو نارمل روٹین میں کرتی تھیں' تم بیمار نہیں ہو' بلکہ ہمیشہ سے کہیں زیادہ مضبوط ہو۔" ثانیہ کی محبت بھری باتوں نے گویا اس کی ہر پریشانی دور کر دی تھی۔

...☆☆☆...

"ماہا... ماہا... سویٹ ہارٹ تم کہاں ہو؟" مسز گردیزی اس کے کمرے میں آ کے اسے تلاش کر رہی تھیں۔

" واش روم میں ہوں ممی۔" اس نے جواب دیا۔

جلدی باہر آؤ بیٹا' تم سے کچھ کہنا ہے۔" اس کی ممی نے کہا اور ماہا کے بیڈ سائیڈ ٹیبل سے میگزین اٹھا کے اس کی" ورق گردانی کرنے لگیں۔

گڈ ایوننگ ممی ہاؤ آر یو۔" ڈھیلی ڈھالی گلابی شرٹ ٹراؤزر میں وہ واش روم سے نکلی' آنکھیں بتا رہی تھیں کہ بہت دیر" تک سوئی رہی ہے۔ چہرہ نیند سے جاگنے کے بعد بہت ترو تازہ اور خوبصورت لگ رہا تھا۔

میں ٹھیک ہوں ڈارلنگ' تم کیسی ہو۔" ممی کے چہرے پہ ہمیشہ کی طرح مسکراہٹ سجی تھی۔"

تم سے ایک ضروری بات کرنے آئی تھی یہاں' آج شام کہیں جانا تو نہیں ہے ناں تم نے؟" راحلہ گردیزی نے" پوچھا۔ وہ ٹو دی پوائنٹ بات کرنے کی عادی تھیں۔

نہیں ممی! مجھے تو کہیں نہیں جانا' پرسوں پریکٹیکل ہے سرجری کا اس کی تیاری کرنی تھی۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔"

بعد میں کر لینا تیاری' رات کو ڈنر پہ میرے ساتھ چلو' تمہارے ڈیڈی کے دوست باسط حفیظ نے ڈنر دیا ہے مرینا کلب" میں۔ ان کا بیٹا یورپ سے پڑھ کر واپس آیا ہے۔" راحلہ نے اطلاع دی۔

آپ ہو آئیں ناں ممی! میرا جانا کیا ضروری ہے؟" وہ اس طرح کی سوسائٹی پارٹیز سے ہچکچاتی تھی' مصنوعیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے اس طرح کی پارٹیز میں' ہر کوئی اپنی شان وشوکت اور دولت سے دوسرے کو مرعوب کرتا ہے' مہنگے مہنگے کپڑے' جھلملاتی جیولری' اعلیٰ طرز کی جوتیاں' یورپ کے ٹرپ کی باتیں' اسٹاک ایکسچینج کے شیئرز اور سونے کی قیمت چڑھنے اترنے کے قصے' پڑوسیوں کی گاسپ اور طرح طرح کی من گھڑت باتیں' ماہا اس طرح کی پارٹیز کو فقط وقت کا ضیاع سمجھتی تھی۔ اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہ تھی اس طرح کی گیدرنگز کی' اکثر مائیں اپنے بچوں کے لئے امیر کبیر گھرانوں سے رشتے لینے کے لئے بھی انہی پارٹیز میں ان کے "بر" ڈھونڈتی تھیں' اور اسی طرح کی گیدرنگز ہر طرح کے مقاصد کے لئے استعمال ہوتی تھیں۔

اوہ نو ڈارلنگ! کیوں تم اتنی ان سوشل ہو۔ کیا ہے تمہیں' اسی طرح کی پارٹیز میں لڑکیاں کتنا انجوائے کرتی ہیں' " یہی تو دن ہیں تمہارے زندگی دیکھنے کے' گھر سے کالج' کالج سے گھر' ماریہ کے علاوہ کوئی تمہارا دوست ہی نہیں' چلو اٹھو میرے ساتھ بحث مت کرو اور کپڑے اچھے پہن لینا' بلکہ اس دن جو میں دیپک پروانی کی آؤٹ لیٹ سے ڈریسز لائی تھی' ان میں سے ایک پہن لینا۔" اب کے راحلہ نے ہمیشہ کی طرح تحکمانہ رویہ اختیار کیا۔

ممی! ضد کیوں کرتی ہیں آپ؟" وہ بسوری۔"

ضد تم کرتی ہو میں نہیں' اگر انکار کیا تو مجھ سے بات مت کرنا۔" راحلہ نے بھی اپنے حربے آزمانے شروع کر" دیئے۔

اوکے ٹھیک ہے' میں چلتی ہوں' لیکن وعدہ کریں کہ گیارہ بجے تک واپس آجائیں گئے۔" ماہا نے مان لیا۔"

آجائیں گے' آجائیں گے اور اگر میرا موڈ نہیں ہوا تو تم ڈرائیور کے ساتھ واپس آجانا۔" راحلہ نے مسکرا کر کہا۔"

"تھینکس ممی!" وہ بولی۔"

تھینکس ٹو یومائی سویٹی!" راحلہ نے محبت بھری آنکھوں سے اسے دیکھا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔"

...☆☆☆...

اگر سانسیں مہک جائیں

اگر آنکھیں چھلک جائیں

اگر خوابوں کی خواہش ہو

اگر پھولوں کی بارش ہو

اگر ہنستے ہوئے رونے کو جی چاہے اکیلے میں

اگر کوئی دیکھ کر تم کو کہیں کھو جائے میلے میں

اگر تم پوچھنے جاؤ کہ بولو کیا حقیقت ہے

اور اس کا یہ جواب آئے "مجھے تو تم سے نفرت ہے"

سمجھ لینا محبت ہے

سمجھ لینا محبت ہے پارٹی میں وہ مسلسل تنہائی اور بوریت کا شکار ہو رہی تھی' اس کی ذہنیت کے لوگ تو خیر یہاں ملنا مشکل تھے' لیکن اس وقت اسے کسی کے ساتھ کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ خود سے ہمکلام تھی۔ کریک مرینا کلب کے ریلنگ سے لگی' قدرے تنہا کونے میں وہ تنہا ہی کھڑی' ریلنگ کی دوسری جانب سمندر سے نکلا سا کت پانی تھا' جس

میں کھڑی پرائیویٹ بوٹس اور منی موٹرز ہوا کے زور پہ ہلکورے لے رہی تھیں۔ چاند کی کوئی درمیانی تاریخ تھی' اور وہ آدھا ادھورا آسمان کے ایک کونے میں بادلوں سے کھیلنے میں مصروف تھا۔ کبھی بادل اس کے اوپر آتے اور چاند بازی ہار جاتا' اور کبھی چاند انہیں اکھاڑ پچھاڑ کے اپنے ہاتھوں سے پرے ہٹاتا اور آسمان کی سلطنت کے شہزادے کے طور پر منظر عام پہ آجاتا۔

وہ اپنے اندر کی دنیا میں کھوئی تھی' جس دنیا کے فقط دو ہی باسی تھی' وہ خود اور ذوالفقار احمد' وہ من ہی من میں کبھی اپنے آپ سے الجھ رہی تھی' تو کبھی ڈاکٹر ذوالفقار سے۔

"کیا ملے گا تمہیں ماہا؟ اس یکطرفہ محبت سے آدھے ادھورے کھیل سے؟ کیا وہ تمہاری محبت تسلیم کرلے گا؟ کیا وہ تمہیں اپنالے گا؟ وہ جو خود اپنی ہی ذات کے خول میں بند رہتا ہے' وہ جو اپنے سامنے ہی نہیں کھل پاتا' وہ تمہارے سامنے کیا کھلے گا؟ وہ جو اپنی ہی قدر نہیں کرپایا' وہ تمہاری محبت کی قدر کہاں سے کرے گا؟ اس کا اور تمہارا رشتہ اس چاند اور بادلوں کی ہی طرح ہے' تمہاری محبت کے بادل کبھی زبردستی' تو کبھی جان کے اس کے اوپر چھا جاتے ہیں' اور وہ کبھی ہاتھ میں ڈنڈا پکڑے انہیں ہٹاتا ہے' تو کبھی کسی قوی ہیکل جن کی طرح پھونک مارتا ہے' اور تمام کے تمام بادل ادھر ادھر بکھر جاتے ہیں۔ ضدی' سنگدل چاند تن تنہا کھڑا ہو جاتا ہے' پھن پھیلا کے' گردن اکڑا کے کہتا ہے۔ "آؤ اگر ہمت ہے تو' گزر کے دکھاؤ میرے راستے سے' چھپا کے دکھاؤ مجھے' میں' میں... میں فقط میں ہی ہوں۔ اس سلطنت کا مالک' اس آسمان کا شہزادہ' فقط میں' ہاں ماہا' تمہارا اور اس کا رشتہ اسی کی طرح ہے' نہیں میں اس پتھر کو توڑ سکتی ہوں' ہاں میری محبت میں اتنی طاقت ہے کہ میں اس کا گریبان تھام کے اسے جھنجھوڑ کے اسے ہلا کے کہہ سکوں' ڈاکٹر ذوالفقار احمد تم سے بے پناہ محبت ہے مجھے' نہیں رہ سکتی میں تم بن' ضرورت ہے

تمہاری میری زندگی کو' میری محبت کو' میری ذات کو' پلیز مجھے قبول کر لو' پلیز مجھ پہ اعتبار کر لو' پلیز مجھے..."

"ایکسکیوز می..." کسی نے اس کے کانچ کے تخیل کو پتھر مار کے توڑا تھا' تخیل ریزہ ریزہ ہو کے کریک کے ساکت پانی میں گر گیا۔

"یس۔" وہ بولی۔

"میرا نام ساحر گردیزی ہے۔ پوچھ سکتا ہوں آپ کا تعارف۔" ایک تنہا کونے میں کھڑی سفید لباس والی وہ کھوئی کھوئی سی لڑکی کسی الف لیلوی داستان کا کردار لگ رہی تھی کہ جس کی وجہ سے ساحر گردیزی چکا چوند اور رونق والی پارٹی چھوڑ کے اس کے پاس آ گیا تھا' اس کے ہاتھ میں کوکا کولا کا گلاس تھا۔

"میں ماہا ہوں۔" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"تاریک رات' کریک کا ایک ویران گوشہ' آسمان پہ چمکتا ماہ نو اور ماہا' کتنا لازم و ملزوم لگ رہا تھا یہ سب کچھ۔

"ماہا... ویل... مس ماہا... پوچھ سکتا ہوں آپ پارٹی کی رونق چھوڑ کے یہاں تاریک کونے میں کھڑی کیا سوچ رہی تھیں؟" ساحر نے پوچھا۔

"یہ میرا پرسنل معاملہ ہے مسٹر ساحر! میں جہاں بھی کھڑی ہو جاؤں اس سے کسی کو کیا لینا دینا؟" وہ بولی۔

"ویل آپ ہماری مہمان ہیں' یہ پارٹی میری پارٹی ہے اور میری پارٹی میں میرا کوئی مہمان اداس ہو یہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔" ساحر نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں اداس بالکل بھی نہیں' بس یہ میرے ٹائپ کی پارٹی نہیں ہے' اور نہ میرا کوئی دوست ہے' یہاں جس سے کمپنی ہو۔" وہ بولی۔

"اوہ کس ٹائپ کی پارٹیز میں آپ جاتی ہیں' اور کیا پسند کرتی ہیں آپ؟" وہ گفتگو آگے بڑھانے کے لئے بولا۔

"بنیادی طور پہ میں بہت تنہائی پسند ہوں' مجھے گیدر نگز اور پارٹیز اچھی نہیں لگتیں۔" وہ بولی۔

"اوہ تو آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ ایک انیس بیس سال کی پوش علاقے کی رہنے والی لڑکی یہ سوشل فنکشنز پسند نہیں کرتی ہے' اور محفلوں کی چمک دھمک میں سے بھی تنہائی کے گوشے ڈھونڈ نکالتی ہے۔" ساحر نے ایک ایک لفظ پہ زور دے کے کہا۔

"کیا میں اس بات پر یقین کر لوں۔" وہ بولا۔

"مت کریں یقین' میں نے زبردستی تو نہیں کی۔" وہ لئے دیئے سے انداز میں بولی اور اس کا گریز ساحر کی جان لینے کو کافی تھا۔ وہ پاؤں پاؤں دل کی سیڑھیاں اترتی جارہی تھی۔

"مجھ سے دوستی کر لیں' میں کمپنی دے سکتا ہوں۔" اس نے کھلی آفر پیش کی۔

"میں انجان لوگوں سے دوستی نہیں کرتی۔" وہ گویا صاف مکر گئی۔

"میں انجان تو نہیں' باسط گردیزی کا اکلوتا بیٹا ساحر گردیزی ہوں' یورپ سے ایم بی اے پلس کی ڈگری لایا ہوں۔ ڈیڈ کا بزنس ٹیک اوور کیا ہے۔" وہ اپنا تفصیلی تعارف کروا رہا تھا۔

"آئی ایم امپریسڈ مسٹر ساحر گردیزی! میں چلتی ہوں۔" وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی جانے لگی۔

"ایکسکیوزمی مس ماہا' ٹھہریں تو۔" وہ دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا۔

"میرا مطلب آپ کو امپریس کرنا نہیں تھا' میں تو صرف آپ سے بات چیت بڑھانا چاہتا تھا۔" وہ اعترافاً بولا۔ تبھی

باسط گردیزی اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں تک آئے۔

"کہاں چلے گئے ہو تم ساحر بیٹا! سب لوگ تمہارا پوچھ رہے ہیں۔ اوہ ماہا کیا حال ہیں سویٹ گرل۔" باسط صاحب اسے دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئے' وہ مسکرا دی۔

"جانتے ہو یہ کون ہیں ساحر؟" اس کے سوال پہ ساحر نے نفی میں گردن ہلائی۔

"یہ ماہا ہے تمہارے فاخر انکل کی بیٹی' راحلہ آنٹی کی بیٹی' تمہاری بچپن کی کلاس فیلو۔" والد کی بتائی بات پہ مسکرا دیا۔

"واقعی ڈیڈ' یہ تو کتنی دیر سے مجھے اجنبی کہہ کہہ کر ڈرا رہی تھیں۔" ساحر کی آنکھیں اس کے چہرے پہ تھیں' اور وہ سوائے خاموش رہنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

...☆☆☆...

شانزے کے آفس کی میز پہ ایک خوبصورت پھولوں کا گلدستہ مع گریٹنگ کارڈ کے موجود تھا۔ گلاب اور ٹیوب روز کے پھولوں سے ایک خوبصورت بکے ترتیب دیا ہوا تھا۔ شانزے نے کارڈ کھول کے پڑھا۔

Loving wishes wrapped in a "sorry" to the love of my life shanzey.

((From Aadil

اسے پڑھ کے وہ زیر لب مسکرائی' تبھی اس کے موبائل پہ عادل کے نمبر ز بلنک ہوئے۔ اس نے فون اٹھالیا۔

"لنچ کریں گی میرے ساتھ میڈم۔" وہ بولا۔

"ویسے تو بہت بزی ہوں' کافی کام پینڈنگ میں رکھا ہوا ہے۔" اس نے شان بے نیازی دکھانی چاہی۔

"لیکن سوچا جا سکتا ہے۔" وہ بالآخر مان ہی گئی اور پھر لنچ ٹائم پہ عادل اسے لینے اس کے آفس آ گیا تھا' اور پھر وہ دونوں

ایک فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ میں لنچ کرنے آ گئے تھے۔

عادل ہمیشہ کی طرح اسے منانے اور اس کا موڈ ٹھیک رکھنے کی خاطر ہلکے پھلکے جوکس اور مزاحیہ فقرے کس رہا تھا' اور شانزے کبھی ہلکے سے تو کبھی برائے نام مسکرا رہی تھی۔

یہ شانزے کی فطرت تھی' وہ بہت آسانی سے نہیں مانتی تھی۔ ناراضگی دنوں اور بعض اوقات ہفتوں اس پہ سوار رہتی تھی۔ وہ آسانی سے فراموش کرنے والوں میں سے نہ تھی۔ غلطی چاہے اس کی اپنی ہو یا پھر دوسرے کی' وہ توقع کرتی تھی کہ معافی ہمیشہ دوسرا مانگے اور دوسرے کے معافی مانگنے کے بعد بھی وہ بہت ہلکی رفتار سے دوبارہ اپنے موڈ کی طرف پلٹتی۔ آہستہ آہستہ باتیں کرتی' برائے نام مسکراتی' ہوں ہاں میں جواب دیتی اور یہ سچویشن اب عادل مکمل طور پر سمجھ گیا تھا' لہٰذا اس نے اب خود کو سمجھا لیا تھا کہ شانزے بہت مشکل لڑکی ہے' اسے کبھی اپنی انا کی ہار منظور نہیں' لہٰذا اگر اسے خوش رکھنا ہے' تو اس کی ماننی پڑے گی ورنہ نہیں۔

"یار ان لوگوں سے زیادہ اچھا ڈبل بیف برگر دو چیز کوئی اور نہیں بنا سکتا' کمال کا ذائقہ آتا ہے ان کے برگرمیں۔" وہ برگر کھاتے ہوئے بولا۔

"مجھے تو چکن برگر پسند ہے' بیف نہیں۔" وہ بولی۔

"ہاں ہاں' چکن برگر بھی زبردست ہوتا ہے' آج تو چکن برگر بھی کمال لگ رہا ہے ان کا۔" وہ شانزے کی ہاں میں ہاں ملا کے بولا۔

"لیکن آج تو اس کا برگر بہت عجیب ٹیسٹ کر رہا ہے' لگتا ہے مایونیز ایکسپائرڈ استعمال کیا ہے۔" وہ بسور کے بولی' عادل خاموش ہو گیا۔

"مجھے بھی یہی لگ رہا تھا کہ مایونیز ذرا کھٹا کھٹا سا ہے۔" وہ ہر حال میں شانزے کو خوش کرنا چاہتا تھا۔

"تم بیکار میں مجھے یہاں لے آئے' اس سے اچھا تو کینٹین کا برگر ہوتا ہے۔" وہ برگر کا آدھا پیس باکس پہ پھینکتے ہوئے

بولی۔

"لیکن شانزے تم نے خود ہی کہا تھا۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"واٹ ایور۔" وہ زچ آنے والے انداز میں بولی۔

...☆☆☆...

"اب کیسی طبیعت ہے ہماری گڑیا کی؟" عادل حرا کو اپنی گود میں بٹھائے پوچھ رہا تھا۔

"اب ٹھیک ہوں چاچو' مما سے کہیں مجھے اور انجکشن نہیں لگوانا۔" حرا نے نہایت معصوم انداز میں کہا۔

"اوہ چلو اب تو انجکشن اور نو دوائی' صرف مزا ہی مزا' بولو کہاں جانا ہے' سی ویو یا پھر سندباد؟"

مجھے الادین واٹر پارک جانا ہے۔" حرا نے کہا۔"

چاچو مجھے بھی لے جانا۔" اذین نے اپنی کھلونے والی کار چھوڑ کے کہا۔"

کوئی ضرورت نہیں انہیں واٹر پارک لے جانے کی۔ طبیعت اس قدر خراب ہے' چلے ہیں سوئمنگ کرنے۔" اندر آئی"

فاطمہ نے غصے سے کہا۔ عادل اور بچے خاموش ہو گئے۔

عادل تم ذرا دو منٹ میرے ساتھ آنا' کچھ ضروری بات کرنی ہے تم سے۔" فاطمہ یہ کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔"

بچوں کے منہ لٹک گئے۔

کم آن پارٹنرز' مما کی تو عادت ہے ہر بات پہ ڈانٹنے کی' تم لوگ اپنی بوتھیاں مت لٹکاؤ ہم لوگ ضرور جائیں گے واٹر"

پارک اس ویک اینڈ تک' جب تک حرا کی طبیعت بھی بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔" عادل کی بات پہ بچے پھر کھلکھلا

دیئے۔ معصوم بچوں کا موڈیوں بھی باتوں کے ساتھ بدلا کرتا تھا۔

اب تم لوگ آپس میں کھیلو' میں مما کی بات سن کر آتا ہوں' پھر میں وڈیو گیم کھیلوں گا آپ کے ساتھ۔" عادل نے" حرا کو اٹھا کے بیڈ پہ بٹھایا اور بچوں کا کمرہ چھوڑ کے فاطمہ کی تلاش میں نکل پڑا۔ وہ اپنے کمرے میں اس کو ملی۔

"اندر آسکتا ہوں۔"

آجاؤ میں نے خود ہی بلایا ہے تمہیں۔" فاطمہ کا لہجہ افسردہ تھا۔ وہ اندر آ گیا۔ بیڈ پہ ڈھیروں ڈھیر چیزیں بکھری پڑی" تھیں۔ شرٹ پینٹ' گھڑیاں' بیلٹ۔

یہ سب کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔"

تمہارے دوست کا دماغ خراب ہو گیا ہے عادل' پاگل ہو گیا ہے وہ۔" فاطمہ نے نہایت غصے اور افسردگی سے کہا۔"

وہ بیڈ پہ جگہ بنا کے بیٹھ گیا۔

کیا ہوا ہے فاطمہ؟ یہ پھیلاوا کس چیز کا ہے؟" وہ آرام سے بولا۔"

عدنان نے اپنے تمام اچھے کپڑے' قیمتی چیزیں نکال دی ہیں' غریبوں میں تقسیم کرنے کے لئے۔ اس کا" خیال ہے کہ اسے اپنی مختصر زندگی میں اتنی قیمتی اشیاء استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں؟" فاطمہ نے کہا۔

واٹ!" عادل کو حیرانی ہوئی۔"

نجانے اسے کیا ہو گیا ہے عادل؟ اس کا مزاج تبدیل ہو گیا ہے۔ نماز کی پابندی اور دین سے رغبت تو اچھی بات" ہے' لیکن حادثاتی موت کی انشورنس کروانا اور رات بھر رو کے استغفار کرنا اور اب اپنے کپڑے خیرات کرنا' مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے عادل۔" فاطمہ رونے لگ گئی تھی۔ فاطمہ کی باتوں نے عادل کو بھی حیرت زدہ کر دیا تھا۔ کچھ

عرصے سے عدنان میں آئی تبدیلی یوں تو عادل نے بھی محسوس کی تھی' لیکن وہ شانزے میں اس قدر الجھا رہتا تھا کہ اسے پتہ ہی نہ چلا۔

"لیکن فاطمہ! وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے' کیا وجہ ہے؟"

پتہ نہیں مجھے کچھ پتہ نہیں' ہر وقت موت کی باتیں' الٹا سیدھا فلسفہ' نصیحتیں' بچوں کو ایسے رکھنا' یہ کرنا' وہ کرنا' "میں نہیں رہوں تو شادی کر لینا' اور نجانے کیا کیا' میں تنگ آ گئی ہوں عادل اسے سنبھالتے سنبھالتے' اچھا خاصا تھا' کچھ دنوں سے عجیب باتیں کر رہا ہے' میں یہ برداشت نہیں کر سکتی۔" وہ روتے روتے کہہ رہی تھی۔

تم دل چھوٹا مت کرو فاطمہ۔ میں بات کروں گا عدنان سے' وہ یقیناً بدل جائے گا اور ایسا کچھ نہیں کرے گا۔" عادل نے اسے سمجھایا۔

عادل وہ نہیں سمجھتا' میں نے اسے بہت سمجھایا۔ حرا کی اذین کی اپنی قسمیں دیں' روئی' گڑگڑائی' مگر وہ نہیں مانتا' "باز نہیں آتا۔" وہ مسلسل رو رہی تھی۔ عادل نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

میں نے کہا نا حوصلہ رکھو' وہ میری بات ضرور مانے گا' اور پھر میں ہی ایک ایسا اس دنیا میں ہوں' وہ جس کے" گھونسے تھپڑ بھی کھا سکتا ہے۔" عادل کی بات پہ فاطمہ نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

...☆☆☆...

"ارسلان بابا... ارسلان بابا! کھانا کھا لو' تم نے رات کو بھی کوئی چیز نہیں کھائی۔" فرخندہ بی کاریڈور میں اس کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی' مگر وہ تیز تیز قدموں سے کار پورچ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ابھی کار پورچ میں کھڑی اپنی چھوٹی

سی آلٹو تک پہنچا ہی تھا کہ کے گیٹ کے باہر ذوالفقار کی گاڑی کا ہارن بجا' چوکیدار نے فوراً آ کے گیٹ کھولا اور ذوالفقار احمد اپنی گاڑی سمیت گھر کے اندر آ گیا۔

وہ گاڑی سے اترا۔ اس نے ارسلان کو دیکھا' نہ اس کی آنکھوں میں والد والی شفقت تھی' اور نہ ارسلان کی آنکھوں میں بیٹے والا والہانہ پن۔

دونوں ایک اجنبیت کے زیر سایہ تھے۔ ناشناسائی کا بوڑھا برگد کا پیڑ دونوں اوپر سایہ زن تھا۔ اس سے پہلے کہ ذوالفقار احمد آگے بڑھ کے ارسلان سے بات کرتا' ارسلان اپنی گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی حرتی پورچ سے نکل گئی۔ ذوالفقار اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔ اپنی مخصوص دھیمی اور سنجیدہ چال چلتے ہوئے وہ فرخندہ بی کے پاس آئے۔

''کیا ہوا فرخندہ بی' کیوں یہ غصے میں چلا گیا؟'' ذوالفقار نے پوچھا۔

''کیا بتاؤں صاحب! بابا اسی طرح ہر وقت غصے میں رہتا ہے' نہ کچھ ٹھیک سے کھاتے ہیں' نہ پیتے ہیں' میں تو بہت پریشان ہوں صاحب! کہیں بابا بیمار نہ پڑ جائیں' یا انہیں کچھ ہو نہ جائے۔'' فرخندہ بی نے کہا۔

''کچھ نہیں ہو گا اسے وہ کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہے۔ بڑا ہو گیا ہے وہ۔ اسے اس طرح پیمپر کرو گی ناں فرخندہ بی تو وہ بگڑ جائے گا۔'' ذوالفقار کا لہجہ ہمیشہ کی طرح سرد تھا۔

''صاحب! بابا کو آپ کے پیار کی ضرورت ہے۔ چھوٹا منہ بڑی بات ہو گی صاحب! لیکن قدرت نے بابا سے ماں چھینی ہے باپ کو آپ تو نہ چھینیں۔'' فرخندہ بی نے ڈرتے ڈرتے کہا تھا۔

''فرخندہ بی' ارسلان بارہ سال کا ہو گیا ہے میں اسے ہمہ وقت گود میں لے کے تو نہیں بیٹھ سکتا ناں؟ اپنے فرائض سے میں بخوبی واقف ہوں۔ اس میں تو ذرا سی تمیز تہذیب نہیں ہے۔ باپ سے پڑوسیوں ایسا برتاؤ کرتا ہے' کیا مجھے دکھ نہیں ہوتا؟ میرا اس کے علاوہ اور کون ہے بھلا؟ لیکن وہ مجھے نہ وقت دیتا ہے اور نہ اہمیت۔'' ذوالفقار کے لہجے میں تاسف بھی تھا' اور افسوس بھی۔ فرخندہ بی خاموش ہو گئی۔

"اس کا باپ میں ہوں' وہ میرا باپ نہیں ہے۔"

"لیکن صاحب غلطیاں چھوٹے کرتے ہیں' بڑے فقط معاف کرتے اور غلطیوں کو سدھارتے ہیں' اور اسی لئے وہ بڑے مانے جاتے ہیں۔" فرخندہ بی کے لہجے میں بھی افسوس تھا۔ ایک ایسے باپ کے لئے' جو اپنے بیٹے کو قصوروار مان رہا تھا۔

"محاورے استعمال کرنے مجھے آتے ہیں فرخندہ بی' لیکن بہتر ہے کہ حقیقت میں رشتوں کو تلاش کیا جائے' محاوروں میں نہیں۔" ذوالفقار اپنے لہجے کی مخصوص سختی سے کہتا اندر گھر کی طرف چلا گیا۔

فرخندہ بی آنکھوں میں آنسو لئے وہیں کاریڈور کے احاطے میں کھڑی رہی اور تخیل کرتی رہی اس وقت کا کہ جب اس کی فائزہ بی بی حیات تھیں' اور ننھا ارسلان اس کی گود میں آیا تھا۔ کتنے خواب تھے فائزہ کی آنکھوں میں ارسلان کو بڑا کرنے کے' اس کی تربیت' اس کی پرورش کرنے کے۔

لیکن خواب تو آئینہ صفت ہوتے ہیں

خواب آئینہ صفت

آئینے سیماب صفت

اور سیماب ابھرتے ہوئے ماہتاب صفت

عکس در عکس بھی ہیں' عکس سے محروم بھی ہیں

اور دیکھو تو یہی زیست کا مفہوم بھی ہیں

...☆☆☆...

"ماہا... ماہا ڈارلنگ کہاں ہو تم؟" راحلہ بیگم اسے بہت دیر سے پکار رہی تھیں۔ وہ کانوں میں آئی پاڈ ڈالے میوزک

سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ جب راحلہ اس کے سامنے آئیں' تب اسے احساس ہوا۔ اس نے کانوں سے ایئر فون نکالا اور متوجہ ہوئی۔

"یس ماما! آپ نے مجھے بلایا۔"

"ہاں سویٹ ہارٹ! ایک ضروری بات کرنی تھی۔ آج شام میں نے ڈنر پہ ساحر گردیزی اور اس کے ڈیڈی کو بلایا ہے تمہیں شام کے ڈنر میں ہمیں جوائن کرنا ہے۔" راحلہ بیگم نے اطلاع دی۔

"لیکن... لیکن ماما کیا یہ ضروری ہے؟ مجھے کل سے پریکٹیکل کی تیاری کرنی ہے۔" ماہا نے کہا۔

"ضروری ہے بیٹا' تمہاری عمر میں اس طرح کی پارٹیز اور ڈنرز ضروری ہوتے ہیں۔ تمہارا یوں تنہائی پسند اور آدم بیزار ہونا مجھے بالکل بھی پسند نہیں ہے۔ سوشل بنو' یہی دن ہیں سوشل لائف انجوائے کرنے کے۔ شادی ہو جائے تو زندگی الجھنوں میں پھنس جاتی ہے۔" راحلہ کے لہجے میں خودبخود سختی سی در آئی۔ اس طرح کی سختی اکثر ان کے لہجے میں اچانک سے آجایا کرتی۔ نرمی سے بولتے بولتے لہجہ بدل جاتا' یوں لگتا کہ جیسے وہ نرمی کا بہروپ رچاتی ہوں' اصل حقیقت تو فقط ان کی سختی ہوتی ہے۔

"کیا ضروری ہے ماما' ہر فنکشن میں پیپٹ فیس بنا کے جانا' ہر کسی سے زبردستی مسکرا کر ملنا' مصنوعیت اور اداکاری کے زیر اثر' دل میں کسی کو گالیاں دینا اور منہ پہ بوسے لینا' کیا یہ صحیح ہے؟" وہ بسوری۔

"ماہا پلیز ہر سوسائٹی کے اپنے اصول ہوتے ہیں' اپنی دواداریاں اور اپنی ریاکاریاں ہوتی ہیں۔ دودھ سے دھلا کوئی نہیں ہوتا۔ کھوٹے سکے ہر طرف ہوتے ہیں' یہ تم تب سمجھو گی' جب تمہیں کسی نچلے طبقے میں اٹھنا بیٹھنا پڑے گا اور میں نہیں چاہوں گی کہ کبھی ایسی نوبت آئے۔"

"ماما! آپ بے وجہ میرے اوپر غصہ ناں کریں' میری میڈیکل کی تعلیم ہے' جس میں پڑھنا' پڑھنا اور صرف

پڑھنا ہوتا ہے۔ میں روز روز اس طرح کی پارٹیز میں اپنا وقت برباد نہیں کر سکتی۔" ماہا نے راحلہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"اٹس اوکے ڈارلنگ' اگلی بار ایسا نہیں ہو گا' بس یہ آج رات والا ڈنر کسی طرح مینج کر لو۔ اس کے بعد نہیں۔" راحلہ نے اس کے گال پہ ہاتھ رکھ کے پیار بھرا اصرار کیا اور وہ خاموش ہو گئی' کہتی بھی تو کیا کہتی۔

...☆☆☆...

آنکھوں کو کیسے مل سکے خوابوں پہ اختیار
قوس قزح کے رنگ کہیں ٹھہرتے ہیں
منظر بدلتے جاتے ہیں نظروں کے ساتھ ساتھ
جیسے کہ ایک دشت میں لاکھوں سراب ہوں
جیسے کہ ایک خیال کی شکلیں ہوں بے شمار

"جی تو مس کلاس فیلو' کیسے مزاج ہیں آپ کے؟" ساحر گردیزی کھانے سے ذرا پہلے ماہا کے پاس بات چیت کرنے کی غرض سے بیٹھ گیا۔

"اب تو اجنبی ہونے کا الزام نہیں دے رہیں ناں ہمیں آپ؟" وہ ماہا کے چہرے پہ آنکھیں ٹکائے بولا۔ اس نے فقط مسکرا کے گردن اثبات میں ہلانے پر اکتفا کیا۔

"ماہا ڈارلنگ! تم ساحر کو اپنا بیڈ روم کیوں نہیں دکھاتی ہو؟" راحلہ نے چائے پیتے پیتے کہا۔ وہ باسط صاحب سے باتوں میں مگن تھیں۔

"وائے ناٹ شیور۔" گو کہ ماہا کو ٹھیک نہیں لگا' لیکن پھر بھی وہ ماں کے آگے انکار نہ کر پائی' اور ساحر کے ہمراہ اپنے

بیڈ روم کی طرف آ گئی۔ نفاست سے سجا خوبصورت تزئین و آرائش ماہا کا بیڈ روم ' لکڑی کا اعلیٰ طرز کا فرنیچر ' گلابی اور سفید اسٹرپ اور فرل والے پردے اور دبیز گلابی کارپٹ۔

"بہت خوبصورت کس نے سجایا ہے؟" ساحر نے پوچھا۔

"میں نے خود ڈیزائن کیا ہے اپنے کمرے کا انٹریئر ' باقی گھر میں تو مما کی کسی دوست جو کہ انٹریئر ڈیزائنر ہیں ان کا حصہ ہے ' لیکن اس کمرے کو میں نے خود اپنی توجہ اور محنت سے سجایا ہے ' کیونکہ یہ میرا ذاتی اور بہت اپنا اپنا گوشہ ہے ' بالکل میرے دل کی طرح۔" ماہا نے بہت پیار سے کہا۔ ساحر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"یہ کتابوں کی کلیکشن آپ کی ہے؟" وہ سامنے بک شیلف میں رکھی کتابوں کی طرف بڑھا۔

"جی ہاں۔" وہ اتنا ہی کہہ پائی۔

"ہوں کیٹس ' شیلے ' آسکر وائلڈ ' ڈاکٹر انور سجاد ' کرشن چندر ' فیض احمد فیض ' احمد فراز ہوں ' ویری نائس ' ڈاکٹر صاحبہ! آپ کو کورس کے علاوہ وقت مل جاتا ہے ادب کے لئے؟" ساحر دلچسپی سے اس کی کتابوں کی کلیکشن کو دیکھتا رہا۔ وہ لڑکی اسے بہت دلچسپ لگی تھی۔ پل پل رنگ بدلتی افسانوں کے کسی کردار کی طرح۔

"شوق اور محبت کے لئے تو وقت نکالنا ہی پڑتا ہے ' مجھے کتابوں کا بہت شوق ہے۔" وہ بولی۔

"اور محبت؟" ساحر نے فوراً پوچھا۔

"محبت ' مجھے آزادی سے محبت ہے ' مجھے اپنی خواہشوں اور اپنے خوابوں سے محبت ہے ' مجھے اپنی ذات سے محبت ہے۔" وہ وثوق سے بولی۔

"اپنی ذات سے محبت کرنے والے خود پسند کہلاتے ہیں۔" ساحر نے کہا۔

"چلیں میں خود پسند ہی صحیح ' لیکن وہ لوگ مجھے زہر لگتے ہیں جو سوائے اپنی پوری دنیا سے محبت کرتے ہیں۔" وہ پُر اعتماد تھی۔

"دوسروں کے لئے جینا غلط تو نہیں؟" ساحر نے پوچھا۔

"تو کیا اپنے لئے جینا غلط ہے؟" جواب بھی سوال میں تھا۔

"آپ کے سامنے بولنا بہت مشکل ہے۔" ساحر نے گویا ہار مان لی۔

"زندگی ایک بار ملتی ہے نجانے کب چھن جائے' کب موت اپنے پنجے ہمارے گرد گاڑ لے' نجانے کب کس سڑک کے حادثے میں کس گولی' کس لمحے کے اوپر ہماری زندگی کا آخری لمحہ لکھا ہو؟ کیا چند دن کی بے خبر زندگی ہم اپنے لئے بھی نہیں جی سکتے؟ یہ چھوٹی سی زندگی بھی صرف قربان کیے جاؤ' ہمارے لئے کون جیتا ہے' ہم سے محبت کون کرتا ہے کہ ہم کسی کو اپنی اتنی قیمتی متاع' محبت اور زندگی کسی اور کو دے دیں' کسی اور کا دم بھرتے رہیں؟" وہ نجانے اس کے ذہن میں کیا فلسفہ گھسانے کے چکر میں تھی' اور ساحر خاموشی سے اس کے لفظ' اس کی باتیں' اور اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

"لگتا ہے کیٹس اور شیلے اور آسکر وائلڈ کے خیالات آپ کے ذہن میں رچ بس گئے ہیں' ان کے نظریات میں رچے بسے ہیں آپ کے نظریات۔" ساحر نے کہا۔ وہ خاموشی سے مسکرا دی۔

...☆☆☆...

لاؤنج کے احاطے میں اپنا کینوس سجائے ایزل اٹھائے روشین پینٹنگ میں مصروف عمل تھی۔ اپنے رنگوں سے وہ اپنے تخیلات کو پورٹریٹ کر رہی تھی۔ ایک میلے سے دوپٹے والی عورت اور اس کی گود میں ایک نومولود چھوٹا سا بچہ' بظاہر وہ عورت سڑک کے کنارے کھڑی کوئی گداگر عورت محسوس ہو رہی تھی' جس کے چہرے پہ بے بسی اور فاقوں کا عکس ہو' جس کی آنکھوں میں سوال ہو' جس کے دل میں خوف اور خدشے ہوں۔ وہ صورت اور حلئے سے اک

عام سی عورت تھی۔

لیکن دراصل وہ عام سی عورت نہیں تھی' اس میں ایک خصوصیت تھی۔ اس کی گود میں ہولے ہولے سانسیں لیتا اس کا بچہ' اس عورت کو ممتاز بناتی ایک ہی وجہ تھی اس کا ماں ہونا' وہ ماں تھی' جیسی بھی تھی' جو بھی تھی' معاشرے میں اس کی جو بھی وقعت تھی لیکن بحیثیت ایک ماں کے وہ بہت خاص تھی۔ اس کے پاؤں میں جنت تھی۔ اس کی آنکھوں میں ٹھنڈک تھی۔ اس کے لہجے میں محبت تھی اور وہ سراپا محبت تھی۔

بظاہر وہ عورت گداگر تھی' لیکن دراصل دنیا جہان کی دولت اس کے پاس تھی۔ پینٹنگ مکمل کر کے روشین نے ایک نظر' ایک بھرپور نظر اس پہ ڈالی۔

"اس تصویر کو میں ڈرائنگ روم میں لگاؤں گی۔" اس نے گویا خود کلامی کی۔ کام والی نازیہ کا ڈیڑھ سالہ بچہ گھسٹتا گھسٹتا اس کے پاس آگیا اور اس کے پاؤں کے پاس بیٹھ گیا۔ روشین کا دھیان اس کی طرف گیا' یہ کمزور سا' سانولا سا' عام سا بچہ اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے میں یہ کیسی کشش تھی؟

روشین نے اسے اٹھایا اور اس کے چہرے کی جانب دیکھنے لگی۔

"اس کے اندر کشش یہ ہے کہ یہ ایک بچہ ہے اور بچہ ہونا ہی اس کے چہرے کے غیر معمولی پن کا سبب ہے۔ اس کی انفرادیت کا باعث ہے۔" روشین کا دھیان اچانک اپنی پینٹنگ سے ہٹ گیا' اور وہ بچے کے ساتھ کھیلنے لگی۔ بچہ بھی اس کی توجہ پا کر خوش ہو گیا۔ اس کے سانولے چہرے پہ بھی اک خوشی سی پھوٹ گئی۔ کچھ دیر کے بعد نازیہ فرش پہ پونچھا لگاتی اس طرف آئی اور اپنے بچے کو روشین کے ساتھ دیکھ کے اس نے فوراً اپنا کام چھوڑا اور بچے کو اٹھالیا۔

"معاف کرنا باجی یہ آپ کے پاس آگیا۔" وہ ہراساں سی ہو گئی تھی۔ روشین نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"تو کیا ہوا اگر یہ میرے پاس آگیا نازیہ! بچہ ہے کھیل رہا تھا۔" وہ بولی۔

"لیکن اسے آپ کے ساتھ نہیں کھیلنا چاہئے باجی! آپ بڑے لوگ ہو جی اور ہم چھوٹے لوگ آپ کا ہمارا کیسا میل؟" وہ

شرمندہ سی ہو کے بولی۔

"ارے اس میں چھوٹے بڑے کی کون سی بات ہے نازیہ' بچے تو بچے ہوتے ہیں' کھیلتے ہیں' شرارت کرتے ہیں' اس میں بچوں کا کیا دوش ہے کہ تم غریب ہو؟" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"لیکن باجی میں پہلے جس باجی کے گھر کام کرتی تھی' اسے میرے بچے پسند نہیں تھے۔ وہ ہمیشہ انہیں مارتی تھی' ان سے لڑتی جھگڑتی تھی اور مجھے اسی وجہ سے نکال دیا۔ باجی میں انہی بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے تو محنت مزدوری کرتی ہوں' اگر انہی کو کوئی کچھ کہے یا ان کی وجہ سے میری نوکری چھوٹ جائے تو میرا گزارا کیسے ہو گا؟" وہ روہانسے پن سے بولی۔

"مجھے تم کسی کے ساتھ کمپیئر مت کیا کرو نازیہ۔ دکھاؤ اپنا یہ ننھا سا خرگوش' اسے میں لان میں لے جاتی ہوں' تم کچن میں جا کے کام کرو' اسے میرے طوطوں اور میری بطخوں سے کھیل کے بے حد اچھا لگے گا۔" روشین نے زبردستی اس کا بچہ اس سے لیا' اور دروازے کی طرف چل' دی اور نازیہ حیران و پریشان کھڑی اسے دیکھتی رہی اور سوچتی رہی کہ "یہ کیسی مالکن ہے' جسے اپنی نوکرانی کے بچے پسند ہیں۔"

...☆☆☆...

"اب کون سا نیا پودہ اُگا رہی ہیں میری بیگم؟" راحیل نے اسے لان میں آ کے پکڑا تھا۔ سنڈے کا دن تھا' راحیل دیر سے جاگا تھا' اور اسے پورے گھر میں تلاش کر آیا تھا۔

"گلاب کا پودا ہے سفید رنگ کا گلاب' آپ کو تو پتہ ہے مجھے سفید رنگ کا گلاب بہت پسند ہے۔" وہ پودے کے اوپر کی سطح ہموار کر کے اٹھی اور کندھے پہ رکھے تولیے سے اپنے ہاتھ پونچھنے لگی۔

"روشی! تمہیں خیال رکھنا ہو گا یہ بچہ ہمارے لئے بہت قیمتی ہے۔ پہلی چیز تو یوں بھی ایک معجزہ کا درجہ رکھتی ہے'

اور میں چاہتا ہوں کہ میرے بچے پہ کبھی کوئی آنچ نہ آئے۔" راحیل نے لہجے میں اپنے بچے کے متعلق بہت انوکھے' بہت الگ قسم کے احساسات تھے' اسے اپنا بچہ دنیا بھر سے زیادہ عزیز لگنے لگا تھا۔

"ادھر آئیں راحیل' وہ دیکھیں۔" پودوں کے پاس کھڑی روشین نے اسے اپنے پاس بلوایا' وہ آ گیا۔

"وہ سامنے دیکھیں گلابی پھولوں کا وہ پودا' اسے میں نے ٹھیک اسی مہینے بویا تھا' جس مہینے ہمارے بچے نے میری کوکھ میں پہلی بار مجھے اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا' اب دیکھیں اس پودے نے اپنی پہلی کونپل زمین سے اٹھائی ہے اور آہستہ آہستہ یہ بڑھنا شروع ہو گیا ہے۔" روشین نے اس کی توجہ پودے کی طرف دلائی۔

"ہمارا بچہ بھی اسی طرح بڑھ رہا ہے ناں راحیل' جس طرح اس پودے کی کونپلیں پھوٹیں گی' ہمارے بچے کے بازو' ٹانگیں' آنکھیں اور خال و خد ابھریں گے' جس طرح اس پودے کے پتے نکلیں گے' ہمارے بچے میں بھی لمحہ بہ لمحہ نئی صفات آئیں گی اور ایک دن' ایک دن جب اس پودے پہ پھول لگیں گے تو اسی طرح ہمارا بچہ ہمارا پھول بھی ہماری گود میں ہو گا' ہے ناں راحیل؟" وہ فرطِ جذبات میں بول رہی تھی اور راحیل اس کی گہری تخیلاتی قوت' اس کی ممتا اور اس کے جذبے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ حیران ہو رہا تھا۔

"روشین' میری طرف دیکھو۔" روشین نے راحیل کی طرف دیکھا۔ راحیل کی آنکھوں میں اس کے لئے خاص رنگ تھا۔

"یہ میری روشین تو نہیں' یہ جذبات سے بوجھل' احساسات میں گندھی عورت ہے' یہ کون ہے؟ کیا میں اسے جانتا ہوں؟" وہ حیرت سے مسکرایا۔

"یہ ایک ماں ہے راحیل! ماں' کائنات کا سب سے حسین نام' سب سے مقدس احساس' سب سے مادری صفت۔" یہ کہتے ہوئے روشین کی آنکھوں میں نمی کی اک چمک سی آئی تھی۔

"ٹھیک کہتی ہو روشین' اولاد بذاتِ خود ماورائی کا اک احساس ہے' اک ایسا احساس کہ جس کے تحت یوں محسوس ہوتا ہو کہ ہم دنیا سے افضل ہیں' دنیا سے اچھے ہیں' یکایک اپنا آپ بہتر' بہتر بہت اجلا اور بہت پاک لگنے لگتا ہے۔ کچھ ایسے ہی احساس میرے بھی ہیں' کچھ اسی طرح کی خوشی میرے اندر بھی ہے روشی' میں اپنا بچہ پا کے خود کو جگ سے نرالا' سب سے زیادہ خوش قسمت سمجھنے لگا ہوں۔" راحیل نے کھل کے اپنے احساسات کا اظہار کیا۔ دونوں ہمقدم ہو کے گھر کے اندرونی حصے کی طرف چل رہے تھے۔

"ہم اپنے بچے کا بھرپور طرح سے استقبال کریں گے' ہے ناں راحیل؟" وہ جملے کے اختتام پہ راحیل سے تائید کی منتظر تھی۔

"جی ضرور' ایسا استقبال کہ وہ خود بھی کبھی نہ بھولے گا۔" وہ بولا۔

"ہم اپنے بچے کو بے پناہ پیار دیں گے۔" وہ بولی۔

"بے پناہ۔" راحیل نے تائید کی' دونوں باتیں کرتے کرتے گھر کے اندرونی حصے کی طرف چل دیئے۔

...☆☆☆...

کبھی یاد آؤ تو اس طرح
کہ لہو کی ساری تمازتیں
تمہیں دھوپ دھوپ سمیٹ لیں
تمہیں رنگ رنگ نکھار دیں
تمہیں حرف حرف میں سوچ لیں
تمہیں دیکھنے کا جو شوق ہو

تو دیارِ ہجر کی تیرگی

کو مِہ کی نوک سے نوچ لیں

کبھی یاد آؤ تو اس طرح

کہ دل منظر میں اتر سکو

کبھی کھل سکو شب وصل میں

کبھی خون دل میں سنور سکو

سر رہگذر جو ملو کبھی

نہ ٹھہر سکو، نہ گزر سکو

میرا درد پھر سے غزل بنے

کبھی گنگناؤ تو اس طرح

میرے زخم پھر سے گلاب ہوں

کبھی مسکراؤ تو اس طرح

میری دھڑکنیں بھی لرزا اٹھیں

کبھی چوٹ کھاؤ تو اس طرح

کبھی یاد آؤ تو اس طرح

!... کبھی یاد آؤ تو اس طرح

شانزے، پلیز یہ اپنا کام جلدی ختم کرو۔ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" وہ اس کے جدید آرائش تزئین" والے دفتر میں بیٹھا تھا۔ وہ مختلف فائلز پہ دستخط کر رہی تھی، جبکہ آج وہ اس سے حتمی طور پہ کوئی فیصلہ چاہتا تھا۔

بولا تاں عادل ذرا دو منٹ صبر کرو' پتہ تو ہے تمہیں ہر سال نئی ہائرنگ کے سیزن میں کام کا لوڈ کتنا بڑھ جاتا ہے۔" آخر کار اتنی بڑی کمپنی ہے اس جاب کو بھی بہت ساری ریکوائرمنٹس ہیں۔" شانزے نے بہت الجھن میں اپنا جھکا ہوا سر اٹھا کے جواب دیا۔ وہ ہلکے فیروزی رنگ کے جدید کرُتے اور سفید ٹراؤزر میں ملبوس تھی۔ ٹراؤزر جو کہ اس کی پنڈلیوں کی سفید جلد کو اور واضح طور پر دکھا رہا تھا۔ سلیولیس کرتا جو کہ جدت اور فیشن کا مظہر تھا۔ عدل کو اس کی یہ ڈریسنگ سخت ناپسند تھی' لیکن وہ اس کی خفگی سے اس قدر ڈرتا تھا کہ اسے کچھ کہہ ہی نہیں نہ پایا اور زہر لگتے تھے اسے وہ ورکز پہی اون اور وزیٹر مرد جو شانزے کے کھلے بازوؤں اور سفید چمکتی ٹانگوں کو میلی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ نجانے فیشن کے نام پہ جسم کا دکھاوا کرنے والی لڑکیاں یہ کیوں بھول جاتی ہیں کہ اصل حسن اور اصل خوبصورتی وہ ہوتی ہے' جو پوشیدہ ہو' جو چیز نمائش عام کے طور پہ دکھائی جائے وہ اپنی وقعت کھو دیتی ہے۔

وہ اکثر دفاتر میں سڑکوں پہ آتی جاتی لڑکیوں کو ایسے کپڑوں میں ملبوس دیکھتا تھا کہ حیران رہ جاتا۔ ایسے کپڑے کا استعمال کرتیں کہ آرپار جس سے سب دکھائی دیتا۔ اس طرح کی شرٹ اور ٹراؤزر ہوتے' جو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے اور بعض لڑکیاں اسے اپنے لئے باعث فخر سمجھتیں کہ لوگ انہیں مڑ مڑ کے دیکھتے ہیں۔ سکارف پہنیں مگر فقط بالوں کو چھپانے کی غرض سے' اسکارف پہننے اور وجود کو ڈھانپنے کا اصل مقصد جاتا رہتا۔

شانزے بعض دفعہ زندگی کے فیصلے کام سے اور کمپنی سے زیادہ اہم ہوتے ہیں' اور یہ کمپنی اکیلی تمہارے کندھوں پہ نہیں ہے' اس کا کچھ حصہ کچھ اور لوگ بھی بانٹتے ہیں۔" اس نے غصے میں ہی کہا تھا۔ فائل پہ تیزی سے چلتے شانزے کے ہاتھ رک گئے اور اس نے بہت شاکی نظروں سے عادل کو دیکھا۔

ہوتی ہیں' اہم اور ضروری ہوتی ہیں' میرے لئے ضروری ہے میرا کام' Priorities کچھ چیزیں کچھ انسانوں کی" رہی بات زندگی کے فیصلوں کی تو میں نے خود کو مکمل اختیار دے رکھا ہے اپنی زندگی کے تمام فیصلوں کا' کوئی بھی دوسرا میرے اوپر کچھ بھی مسلط نہیں کر سکتا۔" شانزے نے ایک ایک لفظ پہ زور دے کے کہا۔

یں نے کوئی مسلط کرنے کی بات نہیں کی ہے شانزے' میں صرف شادی کرنا اور سیٹل ہونا چاہتا ہوں' اور تمہیں" لے کر ہمیشہ کیلئے کینیڈا اشفٹ ہونا چاہتا ہوں۔" عادل نے صاف بات کی۔

تمہیں شادی کی جلدی آخر کیا ہے عادل' کیا ہمارا رشتہ فقط شادی کا ہی محتاج ہے؟ کیا ہم شادی کے بغیر محبت نہیں کر" سکتے؟ تمہیں سیٹل ہونے میں وقت ہے' میرے کچھ اور فیوچر پلانز ہیں' شادی تو ہو جائے گی' شادی ہونے میں کون سی دیر لگتی ہے؟" شانزے نے جھلاہٹ سے کہا۔

کیا یہ تمام پلانز ہم دونوں اکٹھے ہو کے پورے نہیں کر سکتے؟ ایک اکیلا ہوتا ہے اور دو گیارہ۔" عادل نے وضاحت" کی۔

پلیز عادل! مجھے اپنے ان محاوروں میں الجھانے کی کوشش مت کرو' مجھے فی الحال بالکل بھی شادی نہیں کرنی۔" " وہ زچ ہوئی۔

ٹھیک ہے مت کرو۔" وہ جھنجھلا کے کرسی سے اٹھ گیا' اور دروازے کی طرف جانے لگا۔ اسے روک کے اپنے لہجے" اور بات کی معافی مانگنا شانزے کے نزدیک تضحیک تھی۔ لہٰذا اس نے اسے نہیں روکا' وہ جاتے جاتے اسے دیکھنے کے لئے مڑا۔

"ایک ریکیوئسٹ ہے مانو گی؟" وہ بولا۔

"بولو۔" وہ گردن اٹھا کے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"کپڑے ایسے پہنا کرو جو کہ جسم کو چھپا سکیں' مجھے اچھا نہیں لگتا جب لوگ مڑ مڑ کے تمہارے جسم کو دیکھتے ہیں۔"

عادل یہ کہہ کر رکا نہیں اور آفس کا گلاس ڈور پھلانگ کے چلا گیا' اندر شانزے غصے میں کلبلانے لگی۔

"ہو آر یو ٹو سے دس' ہوتے کون ہو تم مجھ پر اپنے اصول ٹھونکنے والے Narrow minded پرانے خیالات کے قدیم مرد' مجھے شادی وادی نہیں کرنی تم سے' آئی ڈونٹ لائیک یو۔" وہ مسلسل عادل کو کوستی رہی۔

...☆☆☆...

"وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔" بہت افسردہ اور بجھے لہجے میں اس نے فاطمہ سے کہا تھا' اور فاطمہ یہ جملہ سن کر بے اختیار ہنس دی۔

"تم ہنس کیوں رہی ہو؟ سچ اس نے خود کہا ہے کہ وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔" فاطمہ نے اپنی ہنسی کو کنٹرول کیا۔

"لیکن... لیکن اس نے ایسا کیوں کہا؟" وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

"مجھے کیا پتہ اس نے ایسا کیوں کہا' بس میں نے اس سے پوچھا' اور اس نے صاف انکار کر دیا۔" عادل کا لہجہ پھر افسردہ ہو گیا۔

"کیا وہ تم سے محبت کرتی ہے؟" فاطمہ نے اب بھی محظوظ ہونے والے لہجے میں پوچھا۔

"کیا مطلب ہے فاطمہ؟ آف کورس کرتی ہے' کم از کم مجھے تو یہ لگتا ہے۔" وہ جھنجھلایا۔

"تو پھر شادی کیوں نہیں کرنا چاہتی تم سے؟ کیا مسئلہ ہے تم میں؟ ماشاء اللہ سے خوبصورت ہو' برسر روزگار ہو اور ذرا سے بیوقوف بھی' تمہاری بیوی تو تمہارے ساتھ بہت خوش و خرم زندگی گزارے گی۔" فاطمہ نے اسے چھیڑا۔

"پلیز فاطمہ! اسے راضی کرو' اسے کہو کہ میں جلد از جلد سیٹل ہونا چاہتا ہوں' مجھے فیملی کی ضرورت ہے' میں اتنے برس اکیلا رہا ہوں' اب میں اپنی تنہائی دور کرنا چاہتا ہوں' عدنان کی طرح میں بھی بچوں کا باپ بننا چاہتا ہوں۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

"دیکھو عادل! اگر اسے تم راضی نہیں کر پا رہے' تو میں کیسے کر پاؤں گی' اور اگر وہ شادی نہیں کرنا چاہتی تو تم منگنی کر لو' اسے کچھ اور وقت دے دو' اور اگر فرض کرو وہ منگنی کے لئے بھی راضی نہیں ہوتی' تو اسے اس کے حال پہ

چھوڑ دو' تم ہائر سٹڈیز کے لئے یا بہتر روزگار کے لئے کینیڈا جانا چاہتے ہو تو تم چلے جاؤ' اگر یہ لڑکی واقعی تم سے محبت کرتی ہوگی' تو وہ ضرور تمہارا انتظار کرے گی' اور تمہیں واپس بلائے گی۔ اس کے سامنے شادی اور محبت کی بھیک مت مانگو' اس طرح سے وہ سمجھتی ہے کہ شاید تم بھی ان روایتی مردوں میں سے ہو' جو جس عورت کو پسند کریں اس پہ انگلی رکھ دیتے ہیں' اور وہ اس کی ہو جاتی ہے۔" فاطمہ نے ایک دوستانہ رائے اسے دی۔

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو فاطمہ! یوں بھی شانزے کو شادی سے اس لئے نفرت ہے کیونکہ وہ سوچتی ہے کہ مرد عورت کو ہمیشہ استعمال کرتا ہے' اس کی ذات کو اس کی خواہشات کو اپنے پاؤں تلے روند دیتا ہے' اور اسی لئے وہ شادی سے ڈرتی ہے' وہ کبھی بھی ایک روایتی اور عورت نہیں بننا چاہتی۔" عادل نے کہا۔ فاطمہ اسے بغور سن رہی تھی۔

"ویسے عادل! کیا واقعی یہی لڑکی تمہاری شریکِ حیات کے لئے آخری انتخاب ہے؟ جتنا میں تمہیں جانتی ہوں اندر سے تم بہت روایتی ہو' عدنان سے بھی زیادہ' اور یہ لڑکی ان روایتوں کے بالکل منافی اور مختلف' کیا واقعی تم اس کے ساتھ خوش رہ پاؤ گے؟" فاطمہ نے بہت اپنائیت سے پوچھا۔

"فاطمہ! مجھے بس یہ پتہ ہے کہ میں اس لڑکی سے محبت کرتا ہوں' بہت زیادہ اور سوائے اس لڑکی کے میرا دل بھی کسی کے لئے بھی نہیں دھڑکا' اور اس لڑکی کو میں کبھی بھی کھونا نہیں چاہتا' بس میں یہ جانتا ہوں۔" وہ اعترافاً بولا۔

"تو ٹھیک ہے عادل! اپنی محبت پہ اپنا بھروسہ قائم رکھو اور اس لڑکی کو احساس دلاؤ کہ تم اس سے کتنی گہری اور کتنی سچی محبت کرتے ہو' آئی ایم شیور کہ وہ ضرور مان جائے گی۔" وہ دونوں فاطمہ اور عدنان کے گھر کے لان میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے' اچانک گھر کا گیٹ کھلا اور عدنان کی گاڑی اندر آئی۔

"لیں جی! آپ کے شوہر نامدار آ گئے' اب آپ ان میں اس قدر مصروف ہو جائیں گی کہ ہمیں بھول جائیں گی۔" عادل نے کہا۔

عادل تمہیں یاد ہے ناں؟ تم نے ایڈی سے بات کرنی ہے' اس کے بدلتے رویے کے متعلق۔" فاطمہ نے اسے یاد دلایا۔

جی ہاں اور آپ نے بھی شانزے کو منانا ہے' منگنی کے لئے' میں اس سے کوئی نہ کوئی رشتہ جوڑنا چاہتا ہوں۔ بے نام رشتے مجھے پسند نہیں۔" عادل نے مسکرا کے کہا۔

اوکے بابا ٹھیک ہے' اب چلو ایڈی کو ویلکم کرتے ہیں۔ تم اسے بیڈ روم میں لے جاؤ' میں اچھی سی چائے بنا کے آتی ہوں۔" فاطمہ کرسی سے اٹھی اور اپنے محبوب شوہر کے استقبال کے لئے آگے بڑھی۔

عادل کچھ دیر وہیں بیٹھا رہا' وہ جانتا تھا کہ فاطمہ اور عدنان کتنی محبت کرتے ہیں ایک دوسرے سے اور دونوں کم از کم کچھ لمحوں میں اکیلے ایک دوسرے کا سامنا کرنا پسند کرتے ہیں' اور خوش آمدید کا یہ لمحہ بھی اپنی لمحوں میں سے ایک ہے اور عادل کو اپنے اور شانزے کے درمیان بھی ایسی ہی محبت چاہئے تھی۔

...☆☆☆...

یار اتنی دیر کر دیتے ہو تم گھر آنے میں' دو گھنٹے سے بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا تھا۔" عادل نے عدنان سے کہا۔ وہ" کپڑے تبدیل کر کے واش روم سے نکلا' بیڈ پہ عادل آڑھا ترچھا بیٹھا ٹی وی کے چینل تبدیل کر رہا تھا۔

دیر ہو گئی' دفتر میں کچھ کام تھے' جنہیں آج ہی ختم کرنا چاہتا تھا۔" وہ مختصراً بولا۔ عادل نے اس کے چہرے کے" بڑھے ہوئے شیو کو بغور دیکھا۔

یہ تجھے کیا ہوا ہے' داڑھی کیوں اتنی بڑھا رکھی ہے؟" عادل کے سوال پہ وہ خاموش رہا۔"

کہیں یہ اسی تبدیلی کا حصہ تو نہیں' جس خدا سے' ایک واقعے نے مجھے بہت توڑ دیا ہے۔" عدنان نے کہا۔"

"کون سے واقعہ نے؟"

پچھلے دنوں میرے ایک کولیگ اسد کا روڈ ایکسیڈنٹ ہو گیا' اور وہ اس میں جاں بحق ہو گیا' اس کی عمر صرف چھبیس سال تھی' بہت خوبصورت نوجوان تھا۔ پچھلی سردیوں میں اس کی شادی ہوئی تھی' اور ایک ماہ پہلے بچے کے لئے بہت کچھ پلان کیا تھا' کیا کیا خواب دیکھے تھے' بیٹے کو ایسے پڑھاؤں گا' یوں بڑا آدمی بناؤں گا' اسے اس طرح کی زندگی دوں گا' اسے یہاں گھماؤں گا' وہ شہر دکھاؤں گا' وہ ہمیشہ مستقبل کے متعلق سوچتا تھا' اور دیکھو' وقت نے اسے مہلت ہی نہ دی' مستقبل میں قدم رکھنے کی اور پچھلے ہفتے موٹر سائیکل پہ گھر سے دفتر آتے ہوئے اس کی جان چلی گئی۔" عدنان نے یہ کہہ کر لمبی سانس لی۔

"یار عادل! میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر موت اتنی بڑی حقیقت ہے' تو پھر یہ زندگی کا کاروبار کس لئے؟ اگر ایک دن اسی طرح خاموشی سے اٹھ جانا ہے' تو پھر یہ روزگار کے یہ جھگڑے' یہ پریشانیاں' یہ پیسے کی دوڑ' اس سب سے کیا حاصل؟ ہم لوگ... ہم لوگ اس طرح جیتے ہیں کہ جیسے کبھی مرنا ہی نہیں' اور پھر اس طرح مر جاتے ہیں کہ جیسے کبھی زندہ ہی نہ تھے۔" عادل اس کی باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔

"یار زندگی اور موت اللہ پاک کے ہاتھ میں ہوتی ہے' اور موت بذاتِ خود زندگی کی حفاظت کرتی ہے۔ اس وقت تک کہ جب تک موت کا اپنا وقت نہیں آتا' ہماری پیدائش سے قبل ہی ہماری موت کا تعین ہو چکا ہوتا ہے۔" عادل نے اسے سمجھایا۔

"ایسا نہیں ہے عادل کہ مجھے زندگی سے محبت نہیں رہی' اور میں فقط موت کا منتظر ہوں' دنیا بہت خوبصورت ہے یار زندگی بہت حسین ہے' لیکن میں اس حقیقت کو نہیں بھولنا چاہ رہا عادل' جس کا نام موت ہے اور جسے آج نہیں تو کل' کل نہیں تو پرسوں جوانی میں نہیں تو بڑھاپے میں ایک نہ ایک دن کسی نہ کسی پل آنا ہے' ضرور آنا ہے۔ جس وقت اس کا جنازہ پڑھ کے اسے دفنایا گیا تو مجھے لگا میرا جنازہ پڑھ کے مجھے مٹی میں دبا دیا گیا ہو' اور جس وقت میں قبرستان سے گھر واپس آیا' مجھے لگا کہ جیسے اللہ نے مجھے ایک نئی زندگی دی ہے۔ اپنے آپ کو راہ راست پہ لانے کا ایک اور موقع

دیا ہے۔" عادل اس کی باتیں محسوس کرنے والی آنکھوں اور دل سے سن رہا تھا۔

کیا میں غلط ہوں عادل؟ بول میرے دوست کیا میں غلط ہوں؟" عدنان نے پوچھا۔ عادل کی آنکھوں میں اداسی اتر آئی تھی' اس نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

تو صحیح ہے میرے یار! تجھے اللہ پاک نے سیدھی راہ دکھادی ہے۔" عادل نے مسکرا کے کہا۔"

تجھ سے ایک وعدہ لوں عادل! کرو گے میرے ساتھ؟" عدنان نے بہت مان سے پوچھا۔"

میں نے کبھی انکار کیا ہے؟" عادل نے کہا۔"

اگر مجھے کبھی کچھ ہو گیا' تو تم فاطمہ اور میرے بچوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑو گے' وعدہ کرو میرے ساتھ۔" وہ ہاتھ پھیلائے وعدے کا منتظر تھا۔"

عدنان پلیز ایسی باتیں مت کرو' اللہ تمہیں تمہاری فیملی کے ساتھ خوش و خرم اور آباد رکھے' مجھے دکھ ہو رہا ہے ایسا مت کہو۔" عادل نے کہا۔"

وعدہ کرو عادل! میں بہت بے فکر ہو جاؤں گا تمہارے اس وعدے کے بعد' وعدہ کرو۔" عدنان کے بہت اصرار پہ عادل نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ دیا۔"

"بہت شکریہ دوست! بہت شکریہ' تم دوست نہیں انعام ہو میری زندگی کا۔" عدنان نے مسکرا کے کہا۔

"اب تم پلیز فاطمہ کے سامنے ایسا کچھ مت کیا کرو' تمہیں پتہ ہے وہ تمہارے پیار میں پاگل ہے' اوّل دن سے حالانکہ تم اس لائق تو نہیں' لیکن وہ پھر بھی پاگل ہے۔" عادل نے اسے چھیڑا۔

دروازے کے باہر ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھامے کھڑی فاطمہ کی آنکھوں میں آنسو تھے' وہ عدنان کی ساری باتیں سن چکی تھی۔

...☆☆☆...

"عدنان! یہاں آؤ۔" بیڈ کے ایک کونے پہ لیٹے ہوئے عدنان کو اس نے آواز دی' وہ متوجہ ہوا اور اس کے پاس آیا۔ فاطمہ نے بہت محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کیا ہوا؟" عدنان نے پوچھا۔

وہ اس کے کندھے سے لگ گئی اور زارو قطار آنسو بہانے لگی۔

"ہوا کیا' کیوں رو رہی ہو تم اتنا؟" عدنان نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کے کہا۔

"آپ کو کیا ہو گیا ہے عدنان' آپ کیوں عادل سے ایسی باتیں کر رہے تھے؟" وہ روتے ہوئے بولی۔

"کیسی باتیں فاطمہ؟ وہ میرا دوست ہے' سو طرح کی باتیں ہوتی ہیں اس کے ساتھ ان باتوں کو تمہیں اتنا دل پہ لینے کی ضرورت کیا ہے؟" عدنان نے نرمی سے کہا۔

"مجھے بہت ڈر لگتا ہے آپ کی ایسی باتوں سے' ہم نے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائی ہیں' ہمیں اکٹھا رہنا اور اپنے بچوں کو اکٹھے بڑا کرنا ہے' میں آپ کے بنا جینے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔" فاطمہ نے اور مضبوطی سے اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔

"فاطمہ! میں کہیں نہیں جا رہا تمہیں چھوڑ کر' میں تو عادل کو صرف یہ سمجھا رہا تھا کہ میرے اندر کی یہ تبدیلی غلط نہیں ہے' میں تو دنیا کے ساتھ ساتھ دین کو بھی چلانے کی کوشش کر رہا ہوں' میں بے شک گنہگار ہوں' لیکن میں اپنے گناہوں کے بوجھ تلے دبنا نہیں چاہتا۔ اس طرح سے میں اپنے گناہوں میں اور اضافہ کروں گا' مجھے اس راہ راست پہ قدم مضبوط کرنے دو فاطمہ۔ مجھے اس ذات سے رشتہ مضبوط کرنے دو' جس ذات نے مجھے پیدا کیا ہے' مجھے وہ سب عطا کیا ہے' جس کا میرے لئے شمار بھی ممکن نہیں' اور اگر میں اپنی اس مختصر زندگی میں اس ذات پاک کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں' اگر اس سے دوستی کا رشتہ استوار کرنا چاہتا ہوں' اگر اپنے گزشتہ گناہوں کی تلافی کرنا چاہتا ہوں' تو کیا یہ

غلط ہے۔ فاطمہ میرے لئے اس کا یہ احسان ہی بہت ہے کہ میں مسلمان پیدا ہوا' اور اگر اس احسان کے جواب میں' میں اس کے حضور سجدے میں جھکتا ہوں' تو کیا غلط ہے؟" عدنان کا لہجہ اور اس کی زبان دونوں الگ تھے' فاطمہ کے آنسو تھم گئے۔

"آپ کا راستہ بالکل صحیح ہے عدنان' مجھے معاف کیجئے گا کہ میں آپ کے اس نیک کام میں مخل ہوئی' دراصل کسی قریبی شخص میں اس طرح اچانک تبدیلی آئے تو لمحہ بھر پریشانی تو ہوتی ہے' آپ بالکل ٹھیک کر رہے ہیں عدنان۔ آپ کا راستہ اور آپ کا ارادہ دونوں نیک ہیں۔" فاطمہ نے اپنی آنکھیں پونچھ کے کہا۔

"تو کیا تم میرا ساتھ دو گی؟"

"مجھے تو حکم ہے میرے رب کی طرف سے۔ آپ کا ہر قدم پہ ساتھ نبھانے کا' میں تو آپ کا لباس ہوں اور مجھے حق ہے کہ میں ہر اس موڑ پہ آپ کا ساتھ دوں' جو موڑ ہمیں کامیابی کی طرف لے جائے۔" فاطمہ نے مسکرا کے کہا۔

"تو چلو نیک کام کی ابتداء ابھی' اسی وقت سے کی جائے۔ نماز عشاء کے لئے میں مسجد جاتا ہوں' اور تم گھر پہ پڑھو۔" عدنان نے کہا۔

"میں گھر پہ اکیلی نہیں پڑھوں گی' بچوں کو ساتھ رکھوں گی' اور ہمیشہ میں اور بچے نماز پنجگانہ کی پابندی کریں گے۔" فاطمہ کے لہجے میں اک روشنی' اک رمق تھی۔ عدنان خوشی سے مسکرا دیا۔

...☆☆☆...

دل پہ اسے بھی عذابوں کو اترتے دیکھا
ہم نے چپ چاپ اسے خود سے بچھڑتے دیکھا
اس کو سوچا تو ہر اک سوچ میں خوشبو اتری

اس کو لکھا تو ہر اک لفظ مہکتے دیکھا

یاد آجائے تو قابو نہیں رہتا دل پر

ورنہ دنیا نے بھی ہم کو ہے تڑپتے دیکھا

اس کی صورت کو فقط آنکھ نہیں ترسی ہے

راستوں کو بھی اس کی یاد میں روتے دیکھا

ہم محبت کے لئے آج بھی دیوانے ہیں

یہ الگ بات ہے اس نے نہیں مڑ کر دیکھا

ڈاکٹر ذوالفقار! ڈاکٹر ذوالفقار!" وہ کاریڈور میں اس کے پیچھے دوڑتی ہوئی آئی تھی۔ ڈاکٹر ذوالفقار جو تھرڈ ایئر کی" کلاس لے کر نکلا تھا' اور کامن روم کی طرف جا رہا تھا' اس کی آواز پہ پلٹے' یہ ماہا حسن تھی' جو تیز رفتاری سے دوڑتی اس تک آرہی تھی۔ ڈاکٹر ذوالفقار ٹھہر گئے' ماہا نے بھی اپنی رفتار کم کر دی اور ہلکے ہلکے قدم اٹھاتی ان تک آنے لگی۔

فان کلر کی شرٹ' میرون ٹائی' سیاہ رنگ کی سلک کی فال والی پینٹ' ٹائی کے اوپر گولڈن ٹائی پن' سنہری فریم والا چشمہ' سر کے بال آدھے سفید آدھے سیاہ' وجیہہ چہرہ اور پرُکشش شخصیت' ماہا حسن دیوانوں کی طرح انہیں دیکھ کے ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

ڈاکٹر ذوالفقار! آئی ایم سوری سر' لیکن میں آپ کا آج کا لیکچر اٹینڈ نہیں کر پائی' اور پرسوں کے ٹیسٹ کے لئے آج" کا لیکچر سننا بہت ضروری تھا' گو کہ غلطی میری ہے میں یونیورسٹی لیٹ پہنچی' لیکن سر اگر آپ برا نہ مانیں تو پلیز مجھے

لیکچر کے کچھ پوائنٹس بتادیں۔" ماہا نے بڑی رفتار سے اپنا مدعا بیان کیا۔ڈاکٹر ذوالفقار مسکرادیئے۔

اگر غلطی مان لی ہے' تو پھر سزا بھی بھگتو۔ بھول جاؤ آج کے لیکچر کو۔" وہ بولے۔"

پلیز سر ایسا مت کہیں' کیا آپ چاہیں گے کہ سیکنڈ ایئر کی سب سے اچھی سٹوڈنٹ پرسوں کے ٹیسٹ میں فیل ہو"

جائے؟" وہ بڑی معصومیت سے بولی۔

میں لائبریری جارہا ہوں لنچ کرنے کے بعد تم وہاں جاکے میرا انتظار کرو۔ نوٹ بک اور فائل لازمی طور پر پہ لے جانا' " میں آتا ہوں ابھی۔" ڈاکٹر ذالفقار نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اپنے مخصوص انداز میں کہا' اور کامن روم کی طرف بڑھ گئے' اور وہ مسکرا کے رہ گئی' خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹنے لگی' ذوالفقار کا موہوم سا لمس اس کی رُوم رُوم میں اک بھرپور لذت جگا گیا' محبت کی تتلی نے اپنے دونوں پر پھیلائے اور اس کے تمام رنگ جابجا بکھر گئے۔

کوئی شام ہو' جسے شام کہنے میں

شب کا کوئی نشان نہ ہو

کوئی چھاؤں ہو' جسے چھاؤں کہنے میں

دوپہر کا گماں نہ ہو

کوئی وصل ہو' جسے وصل کہنے میں

ہجر رت کا دھواں نہ ہو

کوئی لفظ ہو' جسے لکھنے پڑھنے کی چاہ میں

کبھی ایک لمحہ گراں نہ ہو

لائبریری میں ڈاکٹر ذوالفقار احمد کے عین سامنے بیٹھی تھی۔ وہ صبح کلاس میں دیا لیکچر اسے از سرِ نو سمجھا رہے تھے' اور وہ

ٹھوڑی پہ ہاتھ رکھے پوری آنکھیں کھولے بظاہر انہیں سن رہی تھی' لیکن دراصل وہ ان کے چہرے' ان کی آواز' اور ان کی ذات میں کھو گئی تھی۔ اس کے دل کی پوری کائنات کے اوپر فقط ذوالفقار کا چہرہ چھایا تھا' اور وہ اس چہرے کی سبھی اداؤں میں اپنا آپ کھو رہی تھی' پل پل رنگ بدلتا چہرہ' دل کو بے کل کرتا چہرہ' ایسا چہرہ کہ جس میں بظاہر کوئی کشش نہ تھی' بھاری بڑی بڑی آنکھوں کے سرخ ڈورے' یوں لگتا تھا کہ وہ صدیوں سے سوئے نہ تھے' یا پھر مسلسل شراب نوشی نے اپنی رنگت اور مدہوشی ان آنکھوں کو سونپ دی تھی' اور چہرہ ایسا کہ جو ہمیشہ سپاٹ اور بے تاثر رہتا تھا۔ وہ چہرہ' جس نے اپنے جذبات اور اپنے احساسات مٹھیوں میں جکڑ رکھے تھے' اور دل پہ ایسے قفل چڑھائے تھے کہ جن کا کھلنا ممکن نہ تھا' اور اپنے ایسے ایسے بت تراشے تھے کہ جن کا ٹوٹنا ممکن' لیکن عورت تو بت شکن ہوتی ہے۔

ہاں عورت بت شکن ہوتی ہے۔ وہ ایسے ایسے بت بھی اپنی محبت اور اپنے حسن سے توڑنا جانتی ہے' جن کا ٹوٹنا بھی ،ممکن نہ ہو' اور اگر وہ بت نہ ٹوٹے تو یہ عورت کی ضد بن جاتی ہے۔ اس بت کو پاش پاش کرنا

دلوں کے اور جذبات کے قفل کھولنے عورت کو بخوبی آتے ہیں' لیکن شاید عورت یہ نہیں جانتی کہ عورت بظاہر وہ قفل کھول دیتی ہے' وہ بت توڑ دیتی ہے' لیکن بدلے میں اسے سوائے پتھروں کے ڈھیر اور مٹی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا' اور وہ تہی داماں رہ جاتی ہے' اور جب اس چیز کا احساس ہوتا ہے' تو بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔

ذوالفقار احمد بھی اک ایسا بت تھے کہ جسے ماہا حسن ہر حال میں توڑنا چاہتی تھی' محبت سمجھ کر' ضد سمجھ کر یا پھر... یا پھر انا کی جیت سمجھ کر' وہ ذوالفقار احمد کو پانا چاہتی تھی' ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

لائبریری سے فارغ ہو کے وہ سیدھا کینٹین جانے لگی' اپنی دوست ماریہ کے ہمراہ وہ ہمیشہ سے زیادہ اداس اور افسردہ تھی۔

''تجھے کیا ہوا ہے؟ اس طرح منہ کیوں لٹکا رکھا ہے؟'' ماریہ نے اسے چھیڑا۔

"میں آج بھی انہیں نہیں بتا پائی ماریہ! کہ مجھے ان سے کتنی محبت ہے؟" وہ بولی۔

"تم کبھی بھی یہ بم بلاسٹ نہیں کر پاؤ گی مائی ڈیئر بھول جاؤ۔" ماریہ نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

"کیسی دوست ہو تم ماریہ! تم چاہتی ہو کہ میں اسی طرح تڑپتی رہوں؟ اسی طرح کلبلاتی اور سسکتی رہوں؟ اپنی منزل کبھی نہ حاصل کروں؟ اپنی محبت کبھی نہ پاسکوں؟" وہ الٹا ماریا پہ خفا ہوئی۔

"ماہا پلیز تم مجھے کیوں دوش دے رہی ہو؟ میرا کیا قصور ہے؟ بتا تم خود نہیں پاتیں اور Blame مجھے کرتی ہو' میرا کیا قصور ہے؟ یہ تو بتاؤ اور پھر منزل تم نے ایسی متعین کی ہے کہ جس رستے پہ جانا ہی مشکل ہو' ایسی محبت کا بھلا کیا فائدہ کہ جس میں محبوب کے اپنا ہو جانے کی امید ہو' اور نہ محبت ملنے کی؟"

"ہے امید ہے مجھے ماریہ! کہ وہ میرے بن جائیں گے' ہمیشہ ہمیشہ کے لئے' میں ان سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔" ماہا نے یہ جملہ جتنی سنجیدگی سے کہا تھا' ماریہ نے اتنا ہی لائٹ لیا تھا' اور وہ کھلکھلا کے ہنسنے لگی تھی۔ ہاتھ میں رکھا فولڈر منہ پہ رکھے ماریہ دیر تک ہنستی کھلکھلاتی رہی۔

"ذلیل ہو تم اوّل نمبر کی' لائق ہی نہیں ہو تم دوست بننے کے' دفع ہو جاؤ' اور مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو۔" ماہا اٹھی اور آگے بڑھ گئی۔

"ماہا رکو پلیز رکو میری بات سنو۔" ماریہ نے اپنی رفتار بڑھا کے کہا۔

"کیا تم نے واقعی یہ پکا اور ٹھوس فیصلہ کر لیا ہے کہ تم ذوالفقار سر ہی سے شادی کرو گی؟" ماریہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ان کے علاوہ کسی سے بھی نہیں کروں گی۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"لیکن تم... تم اپنی فیملی کو کیسے مناؤ گی؟ اور اگر وہ مان بھی جائیں تو کیا ڈاکٹر ذوالفقار مانیں گے؟ I don't think so نہیں ماہا' وہ کبھی نہیں مانیں گے۔" ماریہ نے تاسف سے گردن نفی میں ہلائی۔

"میں خود مناؤں گی ان کو' مجھے اپنی محبت پہ یقین ہے ماریہ' تم مجھے صرف تین دن دو' تین روز آئی ایم شیور کہ میں' میں انہیں منالوں گی۔" وہ پرُعزم تھی' پرُاعتماد تھی' اور حوصلہ اور عزم کسی نہ کسی سمت تو لازماً لے جاتا ہے۔

...☆☆☆...

فرخندہ بی نے ڈاکٹر ذوالفقار کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

"یس۔" اندر سے آواز آئی۔

فرخندہ بی ہاتھ میں چائے کی ٹرے مع اخبار کے اٹھائے اندر کمرے میں چلی گئیں۔ ذوالفقار بیڈ ٹی لینے کے عادی تھے' یہ ان کی برسوں کی روٹین تھی' جو کہ اب ایک عادت بن چکی تھی۔

اے سی والے خنک اور سگریٹ کی رچی بسی خوشبو والے کمرے میں فرخندہ بی اندر آئیں' کمرے کی دیواروں پہ ہر طرف فائزہ کی تصویریں آویزاں تھیں' اور ایک دیوار پہ فائزہ کی سرخ جوڑے میں قد آدم تصویر تھی' یوں لگتا تھا کہ جیسے فائزہ خود تصویر کا بہروپ رچائے کھڑی ہو' اور ذوالفقار کی تنہائی میں یوں بھی یہ تصویر زندہ ہو جاتی تھی' اس کے پاس ہی کہیں سانسیں لینے لگ جاتی تھی۔ وہ سانسیں جو اب تک ٹوٹ گئی ہیں' کہ جن کا کوئی موہوم سا سراغ بھی اب کہیں نہیں تھا۔ فرخندہ بی نے تصویر کی جانب دیکھ کے اک گہری سانس لی' اور ذوالفقار کے لئے کپ میں چائے ڈالنے لگی۔

"ارسلان اٹھ گیا ہے فرخندہ بی!" ذوالفقار نے پوچھا۔

"بابا رات کو اڑھائی بجے گھر آئے تھے' ساری رات کمپیوٹر پہ بیٹھے نجانے کیا ٹھک ٹھک کرتے رہے' صبح اذانوں کے وقت سوئے ہیں' ابھی تک سو رہے ہیں۔" فرخندہ بی نے چائے میں چمچ ہلاتے ہلاتے کہا۔

"مجھے تو کمرے میں آنے ہی نہیں دیتے بابا' ڈانٹ دیتے ہیں' اور پھر صاحب میں روک ٹوک کرنے والی کچھ لگتی

بھی تو نہیں ناں' ماں باپ ہی حق رکھتے ہیں بچے کو سمجھانے کا۔" فرخندہ بی نے کہا۔

"کیا سمجھاؤں میں اسے؟ کیا روک ٹوک کروں؟ کیا کیا ہے اس نے فرخندہ بی؟" ذوالفقار نے سختی سے پوچھا۔

"کیا کچھ نہیں صاحب! لیکن وہ بڑا ہو رہا ہے' اسے آپ کی توجہ کی ضرورت ہے۔ اسے اکیلا تو نہ چھوڑیں۔"

تو کیا کروں؟ کام دھندہ' یونیورسٹی' کلینک سب چھوڑ چھاڑ کے اس کو گود میں بٹھالوں؟ دو سال کا بچہ نہیں ہے وہ" فرخندہ بی' تیرہواں برس لگے گا اسے اس سال۔" ذوالفقار کا لہجہ ٹھوس اور سخت تھا۔

آپ اسے وقت نہیں دے سکتے تو کم از کم اسے ایک ماں ہی لا دیں' اسے ضرورت ہے کسی کی' جو اسے وقت دے' " اس کی پریشانیاں سمجھے' وہ آج بچہ ہے' کل بڑا ہو گا' آج کل کا زمانہ بہت خراب ہے نجانے کس کی صحبت میں بیٹھتا ہے' کیا کیا کرتا ہے صاحب خدا کے لئے آپ شادی کر لیں' اس گھر کو آپ کو اور ارسلان بابا کو عورت کی ضرورت ہے' ایک عورت بکھری چیزوں کو سمیٹ سکتی ہے' میری بوڑھی ہڈیوں میں اب طاقت نہیں رہی۔" فرخندہ بی نے نم آنکھوں سے التجا کی' ذوالفقار خاموش ہو گئے۔

فائزہ کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا فرخندہ بی۔" ذوالفقار کا لہجہ سرد اور نرم ہو گیا۔"

بے شک نہیں لے سکتا صاحب! بے شک فائزہ بی بی کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا' لیکن کم از کم کچھ زخموں کو بھر تو سکتا" ہے ناں؟ کچھ بے روح چیزوں کو زندہ تو کر سکتا ہے ناں؟ ہماری تو زندگی جتنی گزرنی تھی گزر گئی' لیکن ارسلان کے لئے تو ابھی سب شروع ہوا ہے۔" فرخندہ بی کی آنکھوں کی نمی گہری ہو گئی۔

اس موضوع کو یہیں ختم کریں فرخندہ بی اور کچھ نہیں۔" ہاتھ کے اشارے سے ذوالفقار نے انہیں روک دیا تھا' وہ" بھی اپنے اوپر ضبط کرتی کمرہ چھوڑ آئیں' اس کے بعد چائے اور اخبار میں ذوالفقار کے لئے کوئی مزہ نہیں رہا تھا۔

...☆☆☆...

میں ماہا سے شادی کرنا چاہتا ہوں ڈیڈ!" بہت صاف لفظوں میں ساحر نے اپنے دل کی بات کی تھی۔ ناشتے کی پلیٹ" میں کانٹے سے ٹوسٹ کو کچوکے لگاتے باسط گردیزی کے ہاتھ لمحہ بھر کو رک گئے۔

آر یو شیور ساحر؟" یہ ان کے لئے حیرت کا باعث بات تھی کہ ان کا بیٹا اسی لڑکی کا نام بذاتِ خود لے کہ جس کا خیال ان" کے اپنے دل میں بھی تھا۔

یس ڈیڈ! ماہا حسن وہی میری چوائس ہے' اسی سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔" وہ یقین سے بولا۔ باسط گردیزی نے" مسکرا کے اپنے اکلوتے بیٹے کی جانب دیکھا۔

مجھے بہت خوشی ہوئی تمہاری پسند کا سن کے' ماہا کے متعلق تو میں سالوں سے سوچتا تھا کہ وہ لڑکی ہمارے گھر کے" لئے ہی بنی ہے' اس کے ڈیڈی کی زندگی میں ہی مجھے یہ خیال آیا تھا کہ اسے تمہارے لئے مانگ لوں' لیکن تب تم لوگ بہت چھوٹے تھے' اس لئے میں نے خاموشی اختیار کر لی' اور اب مجھ سے پہلے یہ خواہش تمہارے لب پہ آئی ہے' یہ سن کے مجھے بہت اچھا لگا۔" باسط گردیزی نے فرطِ جذبات سے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

تو ڈیڈ! کیا میں آپ کی طرف سے رضامندی سمجھوں؟" ساحر کی خوشی کی کوئی حد نہیں تھی۔"

آف کورس بیٹا! تم ماہا سے کہہ دو وہ اپنی مما کو بتا دے کہ اس ویک اینڈ پر پرپوزل لے کر آرہے ہیں۔" باسط صاحب" نے کہا۔

لیکن ڈیڈ بات آپ نے کرنی ہے' میں نے ماہا سے اس متعلق ابھی کوئی بات نہیں کی' ان فیکٹ اسے ابھی تک پتہ ہی" نہیں کہ میں اسے کتنا پسند کرتا ہوں۔" ساحر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

واٹ تم نے ابھی تک اسے بتایا ہی نہیں؟ یہ کیا بات ہوئی؟ تم نے باہر کی یونیورسٹیز میں تعلیم حاصل کی ہے' لڑکیوں" "میں اٹھے بیٹھے ہو' تمہیں تو یہاں کے لڑکوں سے زیادہ بولڈ ہونا چاہئے اور تم نے ابھی تک اسے بتایا ہی نہیں۔

ڈیڈ میری اس سے ملاقاتیں کتنی ہوئی ہیں؟ صرف دو اور ان دو ملاقاتوں میں وہ مکمل طور پہ مجھ سے فرینک نہیں ہو پائی' تو میں اس کو پرپوز کہاں سے کرتا؟ وہ تو اک ایسی لڑکی ہے' جو آہستہ آہستہ عیاں ہوتی ہے' پرت در پرت اس کے اندر اک پوری کائنات جمع ہے' پوشیدہ ہے۔" ساحر کے ذہن پہ ماہا کا دلربا چہرہ چھا گیا۔

لگتا ہے محبت بہت گہرائی سے اتر گئی ہے' تمہارے اندر مائی سن۔" باسط گردیزی مسکرا دیئے۔"

اب بتائیں ناں ڈیڈ! آپ کب پرپوزل لے کر جائیں گے اس کے گھر؟" وہ کمال بے تابی سے بولا۔"

پہلے تو ماہا کے دل میں یہ بات تو ڈال دو' کسی ڈنر پہ یا لنچ پہ اسے انوائٹ کرو اور پرپوز کرو' اگر وہ بھی رضامند ہو گئی' " تو اس کی مما ایک منٹ بھی نہیں سوچیں گی' اور مان جائیں گی۔" باسط صاحب ٹیبل سے اٹھتے ہوئے بولے۔

ہوں ڈنر یا لنچ' چلیں میں کوشش کرتا ہوں۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔"

...☆☆☆...

اس کے موبائل فون پہ انجان نمبرز بلنک ہو رہے تھے' ناچاہتے ہوئے بھی اس نے فون پک کیا۔

"ہیلو ساحر گردیزی بات کر رہا ہوں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"جی ساحر صاحب! کیسے ہیں آپ؟" وہ بولی۔

"ساحر صاحب؟ یہ ساحر صاحب کون ہے' کیا آپ ان کے دفتر میں امپلائی ہیں؟ اتنے تکلف سے تو صرف اپنے باس سے ہی بات کی جاتی ہے۔" وہ شرارت سے بولا' وہ مسکرا دی۔ "آئی ایم سوری اگر آپ کو کچھ برا لگا تو ویسے آپ کو میرا نمبر کس نے دیا؟"

"ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے' یہ تو پھر ایک سیل نمبر تھا۔" وہ بولا۔

"کہیئے کس سلسلے میں یاد کیا؟"

”یاد کرنے کے لئے کسی سلسلے کی ضرورت نہیں ہوتی' یاد تو یاد ہوتی ہے بے ربط' بے سلسلہ' بے معنی۔“

”باتیں بہت اچھی کرتے ہیں آپ' الفاظ کا سحر خوب بکھیرتے ہیں۔“

”ساحر جو ہوں' سحر تو بکھیروں گا ہی۔“ وہ اِترایا۔

”میں اس وقت یونیورسٹی میں ہی ہوں' آج میرا پریکٹیکل ہے۔“ ماہا نے اطلاع دی۔

”میں بھی اس وقت آفس میں ہوں' اور آج میری بھی میٹنگ ہے۔“ ساحر نے بالکل اس کے لہجے میں نقل اتاری۔

”تو اگر اتنے ہی مصروف ہیں' تو پھر بولیں فون کیوں کیا ہے؟“ وہ زچ ہوئی۔

”آج شام آپ کیا کر رہی ہیں؟“ وہ بولا۔

”وہ شام کو ہی سوچوں گی۔“

”کیوں؟ ابھی نہیں سوچا جا سکتا؟“ حاضر جواب وہ بھی تھا۔

”نہیں کیونکہ اس وقت پریکٹیکل کرنے جا رہی ہوں۔“

”چلیں تو ابھی آپ پریکٹیکل کریں' اور شام کو میرے ساتھ ڈنر کر لیں۔“ ساحر نے انوکھے انداز میں کہا۔

”ڈنر لیکن کس خوشی میں؟“

”دیکھیں ماہا! میں اس شہر میں نیا آیا ہوں' مجھے علم نہیں یہاں کے کھانوں کا' یہاں کی جگہوں کا' کیا آپ مجھے بتائیں گی نہیں کہ آپ کے اس شہر روشنی میں کیا پایا جاتا ہے کیا نہیں؟“ ساحر نے معصومیت سے کہا۔

”یہ شہر آپ کا اپنا ہی ہے' آپ کی پیدائش یہیں کی ہے' آپ یہاں سے انجان کس طرح ہو سکتے ہیں؟“

”تو پھر آپ میرے ساتھ ڈنر نہیں کریں گی؟“

”ڈنر۔“ وہ سوچنے لگی۔

”ڈنر نہیں تو پھر آئس کریم؟“ اس نے آفر بدلی۔

"اتنی ٹھنڈ میں آئس کریم؟" وہ حیران ہوئی۔

"تو پھر کافی؟ کریم کے ساتھ۔"

"سوچا جاسکتا ہے۔" وہ گویا ہار گئی۔

"میں آپ کو پک کرلوں گا گھر سے ٹھیک نو بجے۔" ساحر نے یہ کہہ کے فون بند کر دیا۔ ماہا حیرت سے فون کو دیکھے گئی۔

"ملاقاتوں کے بہانے ڈھونڈ رہا ہے یہ شخص۔" وہ بڑبڑائی۔ یہ رقص شام غم ہے اور میں ہوں

محبت محترم ہے اور میں ہوں

پہاڑوں پر پرندے جاگتے ہیں

دعائے صبح دم ہے اور میں ہوں

اب اس کی یاد کے تنہا سفر میں

یہ میری چشم نم ہے اور میں ہوں

یہ ساحل پر بکھرتی سیپیاں ہیں

ہوائے تازہ دم ہے اور میں ہوں

جبین دل کو سجدوں کی سہولت

تری نظرِ کرم ہے اور میں ہوں

کہ وصف زندگی تھکنے لگا ہے

تری مشق ستم ہے اور میں ہوں

نجانے کیسی خزاں رسیدہ اور ہجر زدہ رت نے دردِ دل پر دستک دی تھی کہ ارد گرد کا سارا ماحول بیگانہ بن گیا تھا' ہر طرف اک ویرانہ سا چھا گیا تھا' اک بے نام سی اداسی اور گہری یاسیت نے عدنان کی پوری شخصیت کے گرد اک ایسا تنگ احاطہ کھینچ لیا تھا کہ اسے پوری کائنات کھوکھلی' دھندلی اور بے معنی لگنے لگی تھی۔ نجانے اس کی روح میں یہ کس طرح کی چبھن تھی' یہ کیسی گھٹن تھی' جو دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔

اپنے بچے اپنا پیارا شریک سفر اسے اجنبی اور انجان محسوس ہو رہا تھا۔ ان کی طرف سے دل بہت کھینچ کھینچ سا گیا تھا۔ ان کی طرف سے تو کیا' دل گویا پوری دنیا سے بے گانہ ہو گیا تھا' اندھیروں سے اس کا ایسا دل لگا تھا کہ روشنی آنکھوں میں چبھنے لگی تھی' دل کر رہا تھا کہ دور کوئی ویران گوشہ پکڑ کے بیٹھ جائے' کوئی جنگل بیابان بسا لے کسی جوگی یا سادھو سنت کی طرح دنیا سے منہ موڑ لے' اور ایسے ویرانے میں جا بسے کہ جہاں وہ تنہا ہو اور اس کے علاوہ اس کا رب ہو' اور کوئی تیسرا نہ ہو' یہ کس طرح کا رشتہ گانٹھ لیا تھا اس نے اپنے معبود سے کہ اس کا دل کر رہا تھا کہ پوری دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لے۔ زمانے بھر سے مکھ موڑ لے اور فقط ایک کونے میں بیٹھ کے اس کی ذات واحد کو سراہے' اسے اپنائے' اس کا ہو جائے' گھر کے لان کے ایک گوشے میں لگے جھولے پر وہ تنہا بیٹھا تھا۔ آسمان میں پھیلے کروڑوں ستاروں پہ نظر ڈال رہا تھا۔

فاطمہ اسے تلاش کرتی کرتی اس کے پاس آئی۔ سیاہ رنگ کی شال کو مکمل طور پر اوڑھے وہ سردی کی شدت سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی' جبکہ عدنان سردی کی سختی سے بے نیاز فقط اک سادہ سی شلوار قمیص میں ملبوس تھا۔

''آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ اس قدر ٹھنڈ میں' چلیں اندر چلیں۔'' وہ بولی۔

''ٹھنڈ مجھ پر اثر انداز نہیں ہوتی' میری فکر مت کرو۔'' وہ بہت بے تاثر چہرہ لئے اجنبی پن سے بولا۔

''کیا ہو گیا ہے عدنان! آپ اتنے روکھے روکھے لہجے میں کیوں بولنے لگے ہیں' اور آپ پہلے کی طرح نہ بچوں سے

کھیلتے ہیں' نہ عادل اور مجھ سے بات کرتے ہیں۔ گھر آتے ہی کوئی گوشہ بسا لیتے ہیں' اور وہاں بیٹھ جاتے ہیں۔" فاطمہ نے کہا۔

"ایک تو تم عورتیں بھی عجیب ہوتی ہو' بات ہوتی نہیں' اور آپ اس کا پہلے ہی بتنگڑ بنانے بیٹھ جاتی ہو' اب بھلا اگر میں سکون کے چند لمحوں کی تلاش میں گھر کے لان یا سٹڈی میں تنہا بیٹھ گیا' تو محترمہ کو تشویش لاحق ہو گئی' اور آ گئیں شکایت کرنے' میں بدل گیا ہوں' کیا بدل گیا ہوں میں؟ کیا بولو؟" عدنان الٹا اس پہ چلانے لگا' وہ سہم گئی' عدنان کا ایسا لہجہ پہلے کبھی نہ تھا' وہ ہمیشہ تحمل اور پیار سے بولا کرتا تھا۔

"میں نے ایسا کچھ تو نہیں کہا عدنان کہ جس کے نتیجے میں آپ اس طرح چلا رہے ہیں۔" وہ شرمندہ ہی تو ہو گئی تھی۔

"مجھے سکون کی تلاش ہے' مجھے اپنے رب کی تلاش ہے' مجھے کسی ایسے گوشے' کسی ایسے کونے' کسی ایسے ویرانے کی تلاش ہے' جہاں میں اپنے رب کو حاصل کر سکوں' مجھے کسی کی بھی ضرورت نہیں فاطمہ خدا کے واسطے پلیز پلیز مجھے تنہا چھوڑ دو' پلیز۔" عدنان نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے' اور زور زور سے روتے ہوئے کہنے لگا' فاطمہ حیران و پریشان اسے دیکھنے لگی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں عدنان! طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری؟" وہ الجھ گئی تھی۔

"جاؤ یہاں سے تم' کچھ نہیں ہوا مجھے' مجھے تم سے کچھ بھی نہیں لینا' جاؤ تم مجھے اکیلا چھوڑ دو' خدا کے واسطے مجھے بخش دو' جاؤ یہاں سے جاؤ۔" عدنان نے اونچی آواز میں کہا۔

فاطمہ کے رخساروں پہ آنسو ٹپک ٹپک کے گرنے لگے۔ وہ تیز تیز قدموں سے گھر کے اندرونی حصے کی طرف چلی گئی' اور وہ اپنے اس طیش میں آنے پہ حیران و پریشان ہونے لگا۔

صبح چبھتی ہے میری آنکھوں میں

اندھیرا ہم سفر سا لگتا ہے

اتنے مانوس تنہائی سے ہو گئے ہیں

اب اپنے عکس سے بھی مجھ کو ڈر لگتا ہے

اندھیرا عدنان کے چاروں جانب پھیلنے لگا۔

...☆☆☆...

"نجانے اس کو کیا ہو گیا ہے عادل! اس نے مجھے بہت بری طرح سے ڈانٹا ہے' اور عجیب الجھی' بہکی باتیں کر رہا ہے' چلا رہا ہے' چیخ رہا ہے' اس نے اتنے سالوں میں کبھی مجھ سے ایسی بات نہیں کی' نجانے اسے کیا ہو گیا ہے؟" روتے ہوئے وہ عادل کو فون پہ بتا رہی تھی۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا' ابھی آ کے ٹھیک کرتا ہوں اسے' سمجھتا کیا ہے خود کو' نواب ہے' معصوم بچوں اور بے قصور بیوی کے ساتھ زیادتی کرتا ہے' بڑا آیا رب کو ڈھونڈنے والا' حقوق العباد تو پورے کرے اس کے بعد حقوق اللہ کی طرف بڑھے' میں ابھی آ کے اس کی ولایت نکالتا ہوں۔" عادل' فاطمہ کی روتی ہوئی آواز سن کر مشتعل سا ہو گیا تھا۔ حقیقت تھی کہ وہ فاطمہ اور بچوں کی آنکھوں کی نمی بالکل بھی برداشت نہ کر پاتا تھا۔ نجانے کیسا یہ رشتہ تھا' جو اسے دنیا کے ہر رشتے سے زیادہ قریب تر محسوس ہوتا تھا۔

"نہیں عادل اس وقت تم مت آؤ' اس وقت وہ غصے میں ہے' تمہیں بھی اول فول کہہ دے گا۔ مجھے اچھا نہیں لگے گا' اگر اس کے اور تمہارے بیچ کوئی فاصلہ حائل ہو' بس نجانے اسے کیا ہو گیا ہے؟" فاطمہ نے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا۔

"کیا حل ہے اس کے پاگل پن کا؟" عادل نے بھی تحمل سے پوچھا۔

"اگر تم کہو تو اسے کسی نفسیاتی ڈاکٹر کو دکھائیں۔ شاید اس طرح کی حرکتیں کرنا بند کر دے۔" وہ بولی۔

"میرا تو خیال ہے اسے کسی اور نفسیاتی ڈاکٹر کی نہیں' صرف میری ضرورت ہے۔ مجھے اچھی طرح پتہ ہے اس کا علاج' فاطمہ' برا نہ مانو لیکن قصور تمہارا بھی ہے' تم نے بھی اسے ضرورت سے زیادہ سر چڑھا رکھا ہے۔ گدھوں کی طرح اس کی خدمت اور جی حضوری میں لگی رہتی ہو' ہر بات چاہے صحیح ہو یا غلط تم مان جاتی ہو' اس لئے تو وہ اِتراتا ہے۔ ذرا ٹائٹ رکھو تو شاید اس کی عقل ٹھکانے آئے۔" عادل نے اب ناراضگی اس پہ اتارنی شروع کی۔

"عادل! چپ ہو جاؤ' میں پہلے ہی اتنا روئی ہوں' اب اگر تم نے کچھ اور کہا تو خدا قسم گھر کی چھت سے چھلانگ لگا دوں گی' اور الزام آئے گا تم پر اور تمہارے اس دوست پر۔" وہ روہانسے پن سے بولی۔

"اچھا بابا میں کچھ نہیں کہتا' اب تم آرام سے سو جاؤ' اور اس پاگل جنگلی سے ذرا بھی بات نہ کرنا' سمجھتا کیا ہے خود کو ہم سارے غلام ہیں اس کے؟ اب تم اور میں مل کر اس سے مکمل طور پہ بائیکاٹ کریں گے پھر دیکھنا کیسے عقل ٹھکانے آتی ہے اس گدھے کی۔ اب تم سو جاؤ' آرام سے' ذینی اور حرا کو میرا بہت سارا پیار کرنا۔" عادل نے ہمیشہ کی طرح فاطمہ کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"عادل! تم نہ ہوتے تو میں کتنی تنہا ہوتی۔" فاطمہ بوجھل دل سے مسکرائی۔

"جی نہیں تم بالکل بھی تنہا نہیں ہوتیں' میں نہیں ہوتا تو کوئی اور ہوتا' کوئی اور نہیں ہوتا تو کوئی اور ہوتا' اللہ تعالیٰ کبھی کسی کو تنہا نہیں چھوڑتا۔" عادل نے بہت اپنائیت سے کہا۔ اس نے مسکرا کے فون بند کر دیا۔ وہ ظالم رات گئے کمرے میں آیا تھا' لیکن فاطمہ نے اس سے بات نہ کی۔ دوسری طرف چہرہ کیے خاموش لیٹی رہی' اور نجانے کب اس طرح اسے نیند نے آگھیرا۔

...☆☆☆...

صبح دیر سے فاطمہ کی آنکھ کھلی۔ اٹھی تو دیکھا کہ عدنان دفتر کے لئے جا چکا تھا۔ وہ اٹھی اور ڈائننگ روم میں آئی' ٹیبل کے اوپر خالی گلاس رکھا تھا' جس پہ دودھ کے نشان تھے' یعنی عدنان نے فریج سے دودھ نکال کے ناشتے کے طور پر پیا ہے۔ فاطمہ دوبارہ کمرے کی طرف آئی۔ عدنان کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ فاطمہ اور بچوں کی تصویر کے ہمراہ کچھ کاغذات رکھے تھے' وہ ان کی طرف بڑھی۔ کاغذ کی شفاف سطح پر عدنان کی تحریر لکھی تھی۔

"کے کاغذات کو پڑھ کے ان پہ دستخط کر دینا۔ Insurance اپنے رویے کی معافی مانگتا ہوں' ساتھ رکھے"

فاطمہ نے دیگر کاغذات پہ نظر ڈالی۔ وہ حادثاتی موت اور بچوں کی تعلیم کی انشورنس کے کاغذات تھے' جس میں لکھا تھا کہ "اگر میری کوئی حادثاتی موت واقع ہو جاتی ہے تو میری بیوی اور بچوں کو انشورنس کی رقم ملے گی۔" اور اس تحریر کے نیچے عدنان کے دستخط تھے' دوسری طرف فاطمہ کے دستخط کی جگہ تھی' کیونکہ یہ پالیسی فاطمہ ہی کے نام تھی۔ فاطمہ نے اپنے ہونٹ دانتوں میں داب لئے۔

نجانے کیا ہو گیا ہے عدنان کو؟ میں کس طرح سمجھاؤں اور کس طرح انہیں روکوں؟" تاسف سے سر ہلاتے ہوئے" خود کلامی کرنے لگی۔ تبھی اچانک اس کے موبائل پہ بیل ہونے لگی۔

وہ کاغذات رکھ کے موبائل کی طرف بڑھی' اور فون ریسیو کیا' دوسری طرف عادل تھا۔

"کیسی ہو فاطمہ؟ اور تمہارے مجازی خدا کا کیا حال ہے؟"

میں ٹھیک ہوں' اور وہ بھی ٹھیک ہی ہوں گے' میں سو رہی تھی کہ دفتر کے لئے نکل گئے۔" وہ بولی۔"

اچھا تو پھر آج دفتر آ رہی ہو ناں تم شانزے سے ملنے کے لئے؟" عادل نے مطلب کی بات کی۔"

آج؟ نہیں عادل آج تو نہیں آ سکتی' آج میرا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔ عجیب افسردگی سی طاری ہے۔ آج میں اس سے"

کھل کے بات نہیں کر پاؤں گی۔" اس نے انکار کیا۔

مجھے کچھ پتہ نہیں فاطمہ! تم نے آج وعدہ کیا تھا کہ تم آؤ گی اور تمہیں ہر صورت میں آنا ہے۔ دوپہر کو میں عدنان کے" دفتر چلا جاؤں گا' اور تم آجانا شانزے سے ملنے کے لئے' اس کو بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سرپرائز کے طور پہ آنا۔" عادل نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔

"!لیکن عادل"

لیکن ویکن کچھ نہیں' دوست کے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتیں؟ میں آج تمہارا مسئلہ حل کر تا ہوں' اور تم میرا کردو۔""" عادل نے گویا حرفِ آخر کہہ کے فون بند کر دیا' اور وہ عادل پہ بھی جھنجھلا گئی۔

نہ وقت دیکھتا ہے' اور نہ موقع' ہمیشہ اپنی منواتا ہے' اسے صرف اپنی پڑی ہوتی ہے دوسروں کا خیال ہی نہیں" ہوتا۔" وہ عدنان کا غصہ عادل پہ نکالنے لگی۔

...☆☆☆...

جب بادل ٹوٹ کے برساتھا
ہم دونوں اس میں بھیگے تھے
وہ برسات بھی اس کو یاد نہیں
وہ ساحل دریا' پھول ہوا
وہ وعدہ ساتھ نبھانے کا
وہ شب بھر چاند کو دیکھا تھا
وہ رات بھی اس کو یاد نہیں
وہ کہتا تھا میں سنتا تھا

میں کہتا تھا' وہ سنتا تھا

ان لاکھوں باتوں میں کوئی

اک بات بھی اس کو یاد نہیں

تمہیں کس کا انتظار ہے عادل؟" پچھلے پانچ منٹ میں عادل کوئی دس بار اپنی گھڑی اور دروازے کی طرف دیکھ چکا تھا۔"
نہیں تو مجھے کس کا انتظار ہو گا؟" وہ مسکرا دیا۔ شانزے کے لئے اس کا یہ جواب کچھ زیادہ قابلِ اطمینان نہیں تھا۔"
تو پھر بار بار دروازے کی طرف کیوں دیکھ رہے ہو؟" اس نے ایک اور سوال کیا۔"
وہ... وہ لنچ ٹائم ہونے والا ہے ناں۔" عادل نے بات بدلی۔"
"تو؟"
"تو یہ کہ مجھے آج عدنان کے ساتھ لنچ لینا ہے' اس نے انوائٹ کیا ہے مجھے۔" عادل نے کہا۔
"اوہ! تو تم ان کے گھر جا رہے ہو۔" ہمیشہ کی طرح عدنان اور فاطمہ کا تصور شانزے کے لئے کچھ خاص اچھا نہ تھا۔
"نہیں اس کے دفتر جا رہا ہوں۔ ضروری کام ہے اس سے' دو گھنٹے تک واپس آجاؤں گا۔" عادل کی اس بات کے جواب میں شانزے کچھ نہ بولی' بلکہ بدستور فائل پہ جھکی رہی۔
"مرضی ہے تمہاری' جب چاہے آجاؤ' میں نے کب کہا کہ جلدی آؤ۔" شانزے نے شانِ بے نیازی سے کہا۔ عادل خاموشی سے اٹھ گیا' شانزے سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔
ابھی عادل گیا ہی تھا کہ پیچھے سے فاطمہ آگئی۔ فاطمہ کو دیکھ کے شانزے کے دل میں چھپے بدتر خدشات پھر زندہ ہو پڑے۔
"کیسی ہو شانزے؟" فاطمہ نے مسکرا کے پُرجوش انداز میں کہا۔

"میں ٹھیک ہوں' لیکن عادل تو یہاں نہیں ہے' شاید وہ آپ کا انتظار کرتے کرتے ابھی گیا ہے۔ کہہ رہا تھا آپ کے ہزبینڈ کے ساتھ لنچ لینا ہے۔" شانزے نے ذو معنی انداز میں کہا۔

"مجھے پتہ ہے وہ یہاں نہیں ہے' اور پھر میں تو تم سے ملنے آئی ہوں اس سے تھوڑی' آخر کو میرا تم سے الگ بھی تو ایک Relation ہے ناں؟" فاطمہ نے کہا۔

"Are you sure کہ آپ مجھ ہی سے ملنے آئی ہیں؟ میرا مطلب اگر عادل سے ملنا ہے تو میں اسے سیل پہ فون کر کے بلا لیتی ہوں۔" شانزے پر فاطمہ کے نرم لہجے کا مطلق اثر نہیں ہوا۔

"کوئی ضرورت نہیں اسے بلانے کی' مجھے پہلے سے پتہ تھا کہ وہ عدنان کے ساتھ لنچ لینے والا ہے' اور اسی لئے اس کی غیر موجودگی میں' میں تم سے بات کرنے آئی ہوں' ایک بہت خاص بات۔" فاطمہ نے مسکرا کے کہا۔

"کیا آپ کو عادل نے بھیجا ہے؟" شانزے نے پوچھا۔

"کسی بہتر جگہ چل کے بیٹھیں؟ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے' کیفے ٹھیک رہے گا۔" فاطمہ نے کہا۔

"نہیں کیفے نہیں' رش ہو گا بہت اس وقت' کہیں باہر چل کے لنچ کرتے ہیں۔" شانزے نے کہا' اور پھر وہ دونوں ایک قریبی ریسٹورنٹ کی جانب جانے کے لئے اٹھ گئیں۔

...☆☆☆...

اطالوی ریستوران کے پرُفسوں ماحول میں وہ دونوں آمنے سامنے تھیں۔

"اگر میں یہ کہوں کہ مجھے عادل نے ہی تم سے بات کرنے کو کہا ہے' تو تم ناراض تو نہیں ہو گی؟" کھانا کھاتے فاطمہ نے کہا۔

"آپ سے تو نہیں البتہ عادل سے ضرور ناراض ہوں گی' ایسی کیا بات ہے جو عادل مجھ سے خود نہیں کر سکتا' اور آپ

کے ذریعے کروا رہا ہے۔" شانزے نے صاف لفظوں میں کہا۔

"تم نے تو ابتداء میں ہی مجھے ڈرا دیا' اب میں اور کیا کہوں؟" فاطمہ نے مسکرا کے کہا۔

"دیکھیں میں ایک Straight forward لڑکی ہوں' گھما پھرا کے بات کرنے کی مجھے عادت نہیں۔ آپ بولیں عادل نے کون سا پیغام مجھے دینے کے لئے آپ کو بھیجا ہے؟" شانزے سلاد کی پلیٹ میں کانٹا پھیرتے ہوئے بولی۔

"شادی کرنا چاہتا ہے وہ تم سے' شادی کے بعد وہ Abroad سیٹل ہونا چاہتا ہے۔" فاطمہ نے کہا۔

"لیکن اس متعلق ہماری بات ہو چکی ہے' میں اسے اپنا نقطہ نظر سمجھا چکی ہوں۔" وہ بولی۔

"دیکھو شانزے اسے تمہاری ضرورت ہے' وہ گھر بنانا چاہتا ہے۔" فاطمہ نے اسے سمجھایا۔

"تو بن جائے گا گھر بھی پہلے اپنا Career تو بنا لیں' کچھ پیسے تو بنا لیں۔" شانزے نے کہا۔

"اور کتنا انتظار کروانا چاہ رہی ہو اسے تم؟ وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے' اور وہ بہت Sincere لڑکا ہے' میں اسے سالوں سے جانتی ہوں۔" فاطمہ نے کہا۔

"مجھے اس کی Sincerity پہ کوئی شک نہیں' لیکن شادی ایک کمٹ منٹ ہے' اور مجھے خود کو اس کمٹ منٹ کے لئے ذہنی طور پہ تیار کرنا پڑے گا' مجھے خود کو سمجھانا پڑے گا۔" شانزے الجھ رہی تھی۔

"لیکن کیا سمجھانا پڑے گا شانزے؟ عادل تمہاری چوائس ہے' تمہاری محبت اور شادی محبت ہی کی تکمیل ہوتی ہے' محبت کی منزل ہوتی ہے۔"

"اگر سفر طے کیے بغیر ہی منزل مل جائے تو اس کی قدر اور ضرورت ختم ہو جاتی ہے' میں عادل اور اپنے رشتے کو مزید کچھ وقت دینا چاہتی ہوں کم از کم پانچ سال۔" شانزے نے حتمی طور پر کہا۔ فاطمہ خاموش ہو گئی۔

کم از کم منگنی تو کر سکتی ہو؟ کچھ اس کی خواہش کا ہی مان رکھ لو۔" فاطمہ کی اس بات پہ شانزے نے ایک طویل چپ" سادھ لی' ان کی یہ ملاقات بنا کسی حتمی نتیجے کے ختم ہوئی۔

...☆☆☆...

تم ڈائریکٹ مجھ سے بھی تو کہہ سکتے تھے؟ فاطمہ کو بیچ میں انوالو کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟" اگلے دن لنچ ٹائم کے" دوران وہ اس پہ برس پڑی۔

عادل چونکہ اس کی اس طرح کی باتوں کو پہلے ہی متوقع سمجھ رہا تھا لہٰذا خاموش رہا۔

جب فیصلہ تمہاری اور میری زندگی کا ہے' تو کسی تیسرے کی درمیان میں آخر حیثیت ہی کیا ہے؟ کیا ہمارے بیچ" نہیں ہے عادل کہ ہم کھل کے بات کر سکیں؟" وہ مزید بولی' عادل بدستور Understanding اتنی بھی خاموش اسے سن رہا تھا۔

کرنا ہے' نہیں کرنا' باہر Astablish شادی کرنی ہے' گھر بسانا ہے' جاب کرنی ہے' نہیں کرنی' بزنس" سیٹل ہونا ہے کہ نہیں' یہ سب ہمارا درد سر ہے' اس میں فاطمہ کا کیا رول ہے آخر؟ پلیز عادل دوستوں کو دوست ہی کی حد تک محدود رکھا کرو' حد پار کر جائیں تو وہ دوست نہیں کہلاتے' اور پھر تم مجھ سے کوئی ارینج میرج نہیں کر رہے کہ تمہیں پرپوزل بھیجنے کی یا بہن بھائی کے تھرو مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" عادل کی خاموشی شانزے کو اور زچ کر رہی تھی۔

اب اس طرح منہ بنانے' گونگے بنے کیوں بیٹھے ہو؟ کچھ بولتے کیوں نہیں؟" وہ غصہ ہوئی۔ "

پریکٹس کر رہا ہوں' شادی کے بعد بھی تو مجھے سننا اور تمہیں بولنا ہے' یوں بھی تم جو مرضی کہہ لو' جتنا غصہ کرو' جتنا"

بھی خفا ہو' میں اپنے موٴقف پہ اسی طرح قائم ہوں کہ مجھے تم سے شادی کرنی ہے' شادی نہیں تو نکاح' نکاح نہیں تو پھر منگنی' لیکن مجھے اس طرح بنا کسی رشتے کے نہیں رہنا۔" وہ بولا۔

میں اس وقت کچھ بھی نہیں چاہتی عادل' میں اپنے اور تمہارے اس رشتے سے بہت خوش ہوں۔" وہ اپنی جگہ پہ" قائم تھی۔

سوچ لو' پھر میں ہاتھ نہیں آؤں گا۔" وہ بولا۔"

اگر مجھ سے محبت کرو گے تو پچاس سال تک بھی انتظار کرو گے۔" وہ بہت یقین سے بولی۔"

زندگی نے اگر ساتھ نہ دیا تو؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے بولا۔"

میرے اوپر اس طرح کی دلیلیں کام نہیں کرتیں۔" وہ بولی۔"

"وقت و حالات بدل گئے تو؟"

میں اپنے حالات کو خود بدلنے کی سکت رکھتی ہوں' میں کم ہمت اور کمزور عورت نہیں ہوں۔" وہ غرور کے سائے" تلے تھی۔

وہ خاموش ہو گیا' لیکن دل ہی دل میں سوچنے لگا۔

اگر تمہاری جگہ فاطمہ ہوتی یا پھر تمہارے ساتھ فاطمہ کے جیسی دوستی ہوتی' تو لڑ جھگڑ کے ہی صحیح لیکن میں تم سے اپنی" بات منواتا اور تم کچھ نہ کر پاتیں' کیونکہ تمہیں میری ناراضگی کا احساس ہوتا' لیکن تم تو تم ہو شانزے حسن' ٹھوس' "جامد' پتھر کی دیوی' احساسات سے عاری' جذبات سے بے نیاز۔

...☆☆☆...

آج سر ذوالفقار پریکٹیکل کروائیں گے' اور میں یہ کسی صورت مس کرنا نہیں چاہتی۔" وہ حتمی طور پر فیصلہ کرتے"

ہوئے بولی۔

لیکن تمہیں پتہ ہے کہ یہ ایوننگ سیشن والوں کا پریکٹیکل ہے' دیر بھی ہو سکتی ہے' تمہیں گھر جانے میں مسئلہ تو نہیں" ہو گا۔" ماریہ نے اسے یاد دلایا۔

میں گاڑی لیٹ بلوالوں گی' کوئی فرق نہیں پڑتا' می کو پتہ ہے کہ ہم میڈیکل سٹوڈنٹس کی نہ تو کوئی روٹین ہوتی ہے' " اور نہ کوئی وقت کی قید۔" ماہانے اسے مطمئن کیا۔

ہاں اور یہی اصول ہمارے ڈاکٹر بن جانے کے بعد بھی اپلائی ہو گا' نہ دن' نہ رات' نہ صبح نہ شام' فقط ڈیوٹی اور کام' " ٹھیک کہا ہے کسی نے کہ ایک ڈاکٹر پہلے ڈاکٹر ہوتا ہے' اور پھر ایک مرد' عورت' بھائی بہن یا ماں اور باپ اس کے پیشہ ورانہ فرائض سے زیادہ کچھ اس کے لئے اہم نہیں ہوتا۔" ماریہ نے سیڑھیوں کی ریلنگ سے ٹیک لگا کے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

تو کیا ڈاکٹرز سے ان کے بچے' بیویاں' گھر والے اور شوہر مطمئن رہتے ہوں گے؟ ان کے ٹف آموز کو ان کی ہمہ" وقت غیر موجودگی کو کیسے مینیج کرتے ہوں گے؟" ماہانے کہا۔

میرا خیال ہے عادی ہو جاتے ہیں' ایڈجسٹ کر لیتے ہیں' آخر ایک ڈاکٹر کے ہاتھ میں ہزاروں لاکھوں کی صحت اور" جان ہوتی ہے' مسیحائی تو عین ثواب ہے۔" ماریہ نے کہا۔

"اسی لئے میرا پوائنٹ آف ویو یہ ہے کہ ایک ڈاکٹر کو شادی صرف اور صرف ڈاکٹر سے ہی کرنا چاہئے' اگر ایک دوسرے کا پروفیشن نہیں سمجھیں گے تو پھر گزارہ مشکل ہو جائے گا۔ اللہ میاں کو کچھ اس طرح کی جوڑیاں بنانی چاہیں کے شاعر کے ساتھ شاعر ہو' استاد کے ساتھ استانی اور ڈاکٹر کے ساتھ ایک ڈاکٹر۔" ماہا کے ذہن میں فقط ذوالفقار کا تصور تھا۔

"ہمارے لئے تو بھئی' وہ ایک عدد کزن ہی بہت ہے' جس کے ساتھ دس سال پہلے منگنی ہوئی تھی' اور جس کے چار

عدد میڈیکل سٹورز ہیں۔" ماریہ نے سرد آہ بھر کے کہا۔

"ہاں ڈاکٹر صاحبہ! اپنے ہاسپٹل کے باہر بھی ایک میڈیکل سٹور پہ بٹھا دینا اسے۔" ماہا نے اس کا مذاق اڑایا۔

"کیا کریں جناب! والدین کا فیصلہ تھا' گو کہ اگر دس سال پہلے مجھے ذرا سا بھی اندازہ ہوتا کہ میں ڈاکٹر بنوں گی' تو کبھی منگنی کے لئے راضی نہ ہوتی' اب ایسا عالم ہے کہ نہ ہاں کر سکتی ہوں اور نہ 'نہ' کر سکتی ہوں۔" ماریہ نے بے بسی سے کہا۔

"محبت نہ ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔" ماہا نے فوراً کہا۔

"تجھے تو محبت ہے ناں سر ذلفی سے؟ پھر تُو کیوں اتنی پاگل پاگل پھرتی ہے۔ دیکھ لے تیرے چیلنج کے فقط دو دن اور رہ گئے ہیں۔ ایک دن یوں ہی ضائع چلا گیا' کچھ نہیں کیا تو ہار جاؤ گی۔" ماریہ نے اسے چھیڑا۔

"ہارنے والوں میں سے تو میں بھی نہیں ہوں ماریہ' بس کسی بہتر موقع کی تلاش میں ہوں۔" ماہا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ اسے فقط آج شام کا انتظار تھا۔

...☆☆☆...

کئی چاند دھند میں کھو گئے
کئی جاگ جاگ کے سو گئے
مگر اک ستارہ مہرباں
جو گواہ تھا
کسی وصل رنگ سی رات کا
کسی بے کنار سے لطف کا

کسی مشکبار سی رات کا

مرے ساتھ تھا

میرے ساتھ تھا

ساحر مسلسل دو گھنٹے سے ریسٹورنٹ کے اندر اس کا منتظر تھا' لیکن وہ آئی ہی نہیں۔ اس دوران اس نے کئی بار اس کے موبائل فون پہ بھی ٹرائی کیا' لیکن وہ موبائل بند کر کے پریکٹیکل کرنے کی غرض سے لیبارٹری میں موجود تھی۔ موسم ابر آلود تھا' بلکہ ہلکی ہلکی بوندیں پڑنا بھی شروع ہو گئی تھیں۔

"لگتا ہے بارش میں کہیں پھنس گئی ہے۔" ساحر نے خود کلامی کی۔

چینی ریسٹورنٹ کی شیشے کی بنی کھڑکی کے منظر پہ غور کرنے لگا' بارش کی بوندیں متواتر جگمگاتی سڑک پہ پڑ رہی تھیں۔ گاڑیوں کی سرخ اور سنہری جگمگاتی روشنیاں بارش کے باعث اور حسین لگ رہی تھیں' اور بارش کی بوندیں ان روشنیوں کے باعث چمکتی' جھلکتی اور جگمگاتی محسوس ہو رہی تھیں۔ بارش ہر گزرتے لمحے کے بعد اپنی رفتار بڑھاتی جا رہی تھی' ریسٹورنٹ کا شیشہ اور داخلی دروازہ چونکہ شیڈ کے نیچے تھا' لہٰذا وہ بارش سے محفوظ تھا۔

"لگتا ہے آج ماہا نہیں آئے گی' پتہ نہیں یہ بارش کی سازش ہے' یا پھر میری قسمت کی ستم ظریفی؟" ساحر نے خود کلامی کی۔

"زندگی میں پہلی بار کوئی لڑکی پسند آئی ہے' اور اسے زندگی بنانے کا ارادہ کیا ہے' اور زندگی موقع ہی نہیں دے رہی اسے اپنا بنانے کا۔" ساحر نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور انگوٹھی کی وہ چھوٹی سی ڈبیا نکالی' جو اس نے ایک جیولر سے آتے ہوئے خریدی تھی' سونے کے باریک سے جالی نما فریم میں جڑی ننھے سے چمکدار ذرقون والی یہ انگوٹھی ساحر کی محبت کا اظہار تھی' جسے وہ ماہا کے سپرد کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اس انگوٹھی کو کھول کے ٹیبل پہ سامنے رکھ دیا' جہاں سفید ننھے سے گلدان میں سرخ گلاب کا ایک پھول سجا ہوا تھا۔

جگمگاتی انگوٹھی کا ہیرا' سرخ گلاب اور بارش کی بوندیں ایک تواتر سے ایک ہی دھن پہ رقص کناں ہو گئیں۔ ایک ہی دل کی صورت دھڑکنے لگیں۔

''نجانے تم ان مخروطی انگلیوں کی منزل کو پاسکو کہ نہیں کہ جن کی خواہش میں تمہیں تشکیل دیا گیا ہے' گو کہ تم خود بھی بہت حسین ہو' لیکن ان انگلیوں کے حسن کا شاید تمہیں اندازہ بھی نہ ہو' اور اندازہ ہو گا بھی کیسے؟ تم نے تو ان کی نرماہٹ کہ ان کے حسن کو ابھی تک نہ محسوس کیا ہے' اور نہ چھوا ہے' ہاں اگر تم خوش قسمتی سے ان نگلیوں کی زینت بن گئیں' تو شاید جان پاؤ کہ ان کے لمس میں کیا کشش ہے' اس کے سراپے میں اس کی خوشبو میں کیسا سرور ہے' اس کے پاس ہونے میں کیسا ہلکا ہلکا نشہ ہے۔ اس کا احساس' اس کا تخیل' اس کا نام کتنا دلفریب ہے' اسی نے مجھے محبت کرنا سکھایا ہے' اسی نے ہاں اسی نے تو ورنہ میں ساحر گردیزی کس کام کا تھا؟ مجھے محبت پہ نہ تو اعتبار تھا' اور نہ اس کی گہرائی کا' میری دنیا تو محبت سے خالی دنیا تھی' محبت سے انکاری دنیا تھی' مجھے تو اسی نے دیوانہ کیا ہے' مجھے تو اسی نے محبت کرنا سکھایا ہے' مجھے تو اسی نے یہ راہیں دکھائی ہیں' مجھے تو اس نے یہ نئی بولی' اس نئی زبان کا ادراک دیا ہے' کیا تم ان انگلیوں کی ان مقدس پارسا' مخروطی' دلنشین انگلیوں کی زینت بننا پسند کرو گی؟'' ساحر دل ہی دل میں بہت دیر تلک انگوٹھی سے ہم کلام ہوتا رہا۔ اس طرح نجانے کتنے پل بیت گئے۔

''ایکسکیوز می سر!'' دنیا میں تب پلٹا کہ جب باوردی ویٹر نے اسے آواز دی۔

''یس یس۔''

''سر! ریسٹورنٹ بند کرنے کا ٹائم ہو گیا ہے۔'' ویٹر نے اسے کہا۔ اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی' رات کے دو بج رہے تھے' ریسٹورنٹ خالی ہو چکا تھا' سڑک پہ چلنے والا ٹریفک بھی ختم ہو چکا تھا' وہ خاموشی سے اٹھا' انگوٹھی کوٹ کی جیب میں ڈالی اور ریسٹورنٹ سے باہر آ گیا۔ پارکنگ میں کھڑی اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ بارش متواتر برس رہی تھی۔ اس نے گاڑی کا سی ڈی پلیئر آن کیا'

انگوٹھی ڈیش بورڈ پہ رکھی

یہ جو ہلکا ہلکا سرور ہے

یہ تیری نظر کا قصور ہے

کہ شراب پینا سکھا دیا

ایک نغمہ فضا میں گونجنے لگا۔

"وہ نہیں آئی' وہ نہیں آئی' وہ نہیں آئی۔" انگوٹھی اس کا مذاق اڑا رہی تھی' اور پھر رات بھر بارش سے بھیگی سڑکوں پر ایک دیوانہ پاگلوں کی طرح تنہا بھٹکتا رہا۔

...☆☆☆...

ماہا کے لئے یہ سب ایک خواب ہی کے مترادف تھا کہ وہ ڈاکٹر ذلفی کے گھر میں تھی' اور پوری رات اس نے وہیں بسر کی تھی' بارش ہونے اور پریکٹیکل میں لیٹ ہونے کے باعث اس نے ڈاکٹر ذلفی سے لفٹ مانگی تھی۔ ماریہ تو اپنے گھر کے سگنل پہ اتر گئی' لیکن ماہا کے گھر کی طرف جانے والا راستہ بلاک تھا۔ ٹریفک جام تھا۔ لہٰذا اسے ڈاکٹر ذلفی اپنے گھر لے آئے۔ ممی کو فون کر کے اس نے بتا دیا تھا کہ اسے مجبوراً اپنے پروفیسر کے گھر رکنا پڑے گا۔

اور اس طرح وہ اس گھر میں تھی۔ رات اس نے گیسٹ روم میں بسر کی تھی۔ بارش میں بھیگنے اور ٹھنڈ ہونے کے باعث اسے سردی لگ رہی تھی' اور بخار کے ساتھ فلو کا حملہ ہوا تھا' وہ بری طرح سے چھینک رہی تھی' ناک سرخ تھی اور آنکھوں اور ناک سے مسلسل پانی بہہ رہا تھا۔ رات بھر وہ بخار میں پھنکتی رہی تھی۔ اس وقت وہ جاگی اور کھڑکی کے قریب آکے پردہ کھول دیا' دیوار پہ لگی گھڑی صبح کے نو بجا رہی تھی' کھڑکی کھلتے ہی دھوپ شیشے کو چیر کے

پورے کمرے میں بکھر گئی۔ کھڑکی کی پرلی طرف ایک وسیع و عریض اور سرسبز لان تھا' جس کے چاروں طرف خوبصورت پیڑ اور پودے تھے۔ باغ کے ایک کونے پر چھوٹے بڑے مختلف جسامت کے پتھر ایک عجیب سی بے ترتیبی سے رکھے تھے' لیکن ان کی بے ترتیبی ہی ان کی ترتیب اور خوبصورتی کا باعث تھی۔ وہ ابھی لان کے منظر سے لطف اندوز ہو رہی تھی کہ کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور فرخندہ بی چائے کی ٹرالی اور لوازمات سمیت اندر آ گئی۔

"آپ کے لئے چائے لائی ہوں بی بی جی۔" وہ بولیں۔

"مجھے چائے کی سخت طلب ہو رہی تھی' اگر میں اپنے گھر میں ہوتی تو شاید پورا گھر سر پہ اٹھا لیتی' چلا چلا کے' آخر کو بخار اور نزلہ کوئی عام اور معمولی بیماری تو نہیں عجیب شعلہ بار اور جان لیوا قسم کی چیز ہے۔" ماہا نے کہا اور سامنے رکھی کرسیوں پہ بیٹھ گئی۔

"لگتا ہے آپ بھی گھر میں لاڈلی ہیں' جو لاڈلے ہوتے ہیں' وہی اس طرح کے نازک طبع ہوتے ہیں اور بات بات پہ اسی طرح روتے ہیں۔" فرخندہ نے چائے کا کپ بنا کے اس کی طرف بڑھایا۔

"لاڈلی بھی ہوں اور اکیلی بھی' مما پاپا کی اکلوتی اولاد ہوں۔" ماہا نے گویا فخر سے بتایا۔

"ہمارے ارسلان بابا کی طرح وہ بھی ہمارے لاڈلے اور اکلوتے ہیں' ان کی آنکھ کا ہلکا سا آنسو ہم سے برداشت نہیں ہوتا۔ آج اگر فائزہ بی بی زندہ ہوتیں تو ارسل بابا کو ہاتھ کے چھالے کی طرح رکھتیں۔" فرخندہ بی کے لہجے میں پھر افسردگی آ گئی۔ وہ دن میں سو مرتبہ فائزہ بی بی کے نام کی مالا جپا کرتی تھی۔

"بہت مس کرتا ہو گا ناں وہ اپنی مما کو؟" فائزہ نے پوچھا۔

"پتہ نہیں' مجھ سے تو کچھ نہیں کہتا۔"

"اور ڈاکٹر ذوالفقار سے؟ وہ بھی تو اسے بہت پیار کرتے ہوں گے۔" ماہا نے کریدا۔

"کرتے تو ہیں' بہت پیار کرتے ہیں صاحب اس سے' لیکن کبھی اظہار نہیں کرتے' فائزہ بی بی کے بعد تو پتھر کے پتلے بن گئے ہیں' جذبات سے عاری بیٹے تک کے لئے بھی اظہار کے محبت کے لفظ نہیں۔" فرخندہ بی کی باتیں بتا رہی تھیں کہ ارسلان اور اس کے والد کے بیچ کچھ ڈسٹربنس ہے' یعنی یہ خوف بھی ماہا کو دل سے نکال لینا چاہئے کہ ارسلان اس کی راہ کی رکاوٹ بن سکتا ہے۔

"ڈاکٹر ذوالفقار کہاں ہیں؟ کیا وہ ناشتہ نہیں کرتے؟" ماہا نے پوچھا۔

"بھئی یہاں ہیں ڈاکٹر ذوالفقار اور وہ بالکل ناشتہ کرتے ہیں' بلکہ پورے دن میں صرف ایک ناشتہ ہی تو کرتے ہیں۔" ڈاکٹر ذوالفقار اپنی خوبصورت اور دیدہ زیب شخصیت کے ہمراہ آن موجود تھے۔ فان کلر کی شرٹ اور براؤن پینٹ' بروٹ پرفیوم کی مہک نے ان کے پورے وجود کو گھیرے میں لیا ہوا تھا۔

"گڈمارننگ سر!" وہ ادب میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"گڈمارننگ ماہا' لیکن آپ میرے گھر پہ ہو' کلاس روم میں نہیں' ایزی ہو کے ناشتہ کرو۔" ڈاکٹر ذلفی نے کہا۔

"مجھے اکیلے ناشتہ کرنے کی عادت نہیں ہے' آپ پلیز مجھے جوائن کریں۔" اس نے پیشکش کی۔

"فرخندہ بی ایسا کریں میرا ناشتہ بھی یہیں لے آئیں' میں آج سٹوڈنٹ کے ساتھ ناشتہ کروں گا۔" ڈاکٹر ذوالفقار نے بھرپور انداز میں کہا۔ فرخندہ بی نے حیرت سے ذوالفقار کی طرف دیکھا۔ انہوں نے ماہا کے ہمراہ ناشتہ کیا' پھر ماہا کو فلو اور بخار کی دوائی دی' آرام کرنے کا کہا اور خود یونیورسٹی کے لئے نکل گئے۔

...☆☆☆...

کیسا گھر تھا یہ؟ اپنے اندر اس قدر مقناطیست سموئے ہوئے وہ صبح سے دیوانوں کی طرح اس گھر میں پھر رہی تھی۔ ایک ایک چیز کا معائنہ کر رہی تھی' کچن' گیسٹ روم' لاؤنج' ڈرائنگ روم' دالان' پائیں باغ' وہ تقریباً پہلی منزل کے ہر کمرے کا دورہ کر چکی تھی۔

یوں لگتا تھا گویا یہ گھر نہیں' کوئی ساکت وجامد تصویر ہو' سرد خانے میں رکھی کسی لاش' کسی تصویر کی طرح منجمد ہاتھ لگاؤ تو میلی ہوتی' انگلی سے چھونے سے لرزنے لگی' کس طرح سے سجا تھا یہ گھر؟ جیسے کہ صدیوں سے اسی طرح ہو' کسی نے چھوا نہ ہو' کسی نے ہاتھ نہ لگایا ہو۔

"فرخندہ بی' کتنا خوبصورت ہے ناں یہ گھر' کس نے اس کا انٹریئر کیا ہے' یوں لگتا ہے جیسے کہ یہ گھر نہیں کوئی تصویر ہو' اتنا اجلا اور اتنا سفید۔" کچن میں مٹر چھیلتی فرخندہ بی کے پاس ماہا آئی' فرخندہ بی مسکرا دی۔

"فائزہ بی بی نے سجایا تھا یہ گھر' ہوم اکنامکس میں انہوں نے پڑھا تھا' بہت شوق تھا ان کو گھر سجانے کا' چیزیں بنانے اور لانے کا' ارسلان بابا جب ڈیڑھ سال کے ہوئے تو یہ گھر نیا نیا بنا تھا' اور بی بی نے دل وجان لگا کے اس گھر کو سجایا۔ اب صاحب نہیں چاہتے کہ اس گھر میں کوئی تبدیلی آئے' وہ اس گھر کو ایسا کا ایسا ہی رکھنا چاہتے ہیں۔" فرخندہ نے کہا۔

"میں اوپری منزل میں جا سکتی ہوں فرخندہ بی۔"

"ہاں ہاں بیٹا ضرور جاؤ۔" فرخندہ بی نے مسکرا کر کہا' پھر وہ لاؤنج کی گولائی والی ماربل کی سیڑھیاں چڑھتی اوپری منزل پہ آ گئی۔ اوپری منزل کا پہلا تاثر سناٹا اور ویرانہ تھا' گلاب چنبیلی کی مہک ماحول میں رچی بسی تھی۔ دن کی روشنی ہونے کے باوجود بھی دبیز سبز پردوں کے باعث اندھیرا تھا۔ ایک نادیدہ خوف کی لہر اس کے دل میں جاگی' جیسے کہ کسی پرانے قبرستان میں آ گئی ہو' وہ چلتی چلتی سبز پردے کی جانب آئی اور کونے میں لٹکی ڈوری پکڑ کے کھینچی تو گویا اوپر

کی منزل روشن ہو گئی۔ فروسٹڈ گلاس کی پینٹ شدہ کھڑکی سے دن کی دھوپ چھن کے اندر آئی۔

اوپر کی منزل پہ کمرے تھے' کمروں کے باہر پرانے طرز کا پنگھوڑا رسی کی مدد سے لٹکا ہوا تھا' جس پر گلابی اور سبز گاؤ تکیے رکھے تھے۔ اس کے پاس ہی میز پر پیتل کے اعلیٰ طرز کے کشادہ تھال میں گلاب کی سوکھی پتیاں اور گلدان میں ٹیوب روز کی بوسیدہ ٹہنیاں پڑی تھیں' اور اس گلدان کے اوپر قد آدم تصویر لگی تھی' سر سے پاؤں تک لی گئی سرخ رنگ کی ساڑھی والی دوشیزہ کی پورٹریٹ' بالوں میں سجا گجرہ' شانوں پہ بکھرا ہوا' سڈول سراپا' ہوشربا حسن عمر بائیس سے چوبیس سال کے درمیان۔ وہ یقیناً فائزہ کی تصویر تھی' ماہا لمحوں کے سویں حصے میں پہچان گئی۔ ایک لمحے کو ماہا کو اس حسن کی دیوی سے جلن ہوئی' اور

اگلے ہی پل اس پہ رشک بھی آیا' وہ دیر تک محویت سے اس تصویر کو دیکھتی رہی

نجانے حسن' تازگی' ماورائی زندگی کی محتاج کیوں ہوتے ہیں؟ ہر چیز گویا زندگی کی بدولت ہو' زندگی ختم ہوئی تو قیمتی سے قیمتی چیز لٹ جاتی ہے' خوبصورت سے خوبصورت چیز فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے' جاندار سے جاندار چیز بے جان ہو جاتی ہے؟ وہ تصویر سے دھیان ہٹا کے دونوں کمروں میں ایک سے ایک کمرے میں آئی' وہ کمرہ لاکڈ تھا۔ اس نے بہت کھولنے کی کوشش کی' لیکن بیکار' پھر وہ دوسرے کمرے کی طرف آئی۔ یہ کمرہ شاید ڈاکٹر ذوالفقار کا کمرہ تھا' لیکن یہ کمرہ کتنا خالی' اداس اور ویران تھا' تنہا اور تہی داماں تھا' بوجھل اور خالی تھا' مایوس اور بے بس تھا۔

سفید رنگ کی دیواریں' سفید رنگ کے پردے' سفید رنگ کے ماربل کا فرش پرانی براؤن لکڑی کا بیڈ' پرانا بوسیدہ سائڈ ٹیبل' جابجا بکھرے اخبار' رسالے' کتابیں عجیب بے ترتیبی اور بے ڈھنگی' عجیب بے چینی اور اکتاہٹ۔

دیوار پہ لگی اسی دوشیزہ کی ایک اور تصویر ڈاکٹر ذوالفقار کے ساتھ گود میں نومولود بچہ' دوشیزہ اور ذوالفقار کی مسکراتے' خوش مطمئن اور بھرپور چہرے' آنکھوں میں بے انتہا خواب ہونٹوں پہ محبت کی چاشنی' اک چمک' اک انبساط۔

اس تصویر کے سوا پورے کمرے میں کہیں کوئی خوبصورتی نہ تھی۔ پورا کا پورا کمرہ بدصورتی' اداسی اور بے ترتیبی کا مظہر تھا۔ یہ کمرہ اس پورے اعلیٰ ذوق تزئین و آرائش کا ہرگز بھی حصہ نہ لگتا تھا' یوں لگتا تھا کہ جیسے اس کمرے کو کوئی آسیب لگ گیا ہو' کوئی چھلاوا اس پہ آ گیا ہو' یہ کوئی جیتا جاگتا پر رونق کمرہ نہیں' بلکہ کوئی کھنڈر تھا' پارسیوں کا ٹاور آف سائلنس جس کے اوپر گدھ اور دوسرے جانور منڈلاتے ہیں۔ اس کمرے میں لٹکنے والے پردے سفید جالی دار پردے کسی روح کی آمد کی پیش گوئی کرتے ہوں' پگھلی ہوئی شمعوں کا موم شمع دان پہ عجیب عجیب شکلیں بنا رہا تھا۔

ماہا کو لمحوں میں اس کمرے سے خوف آنے لگا' نہیں یہ ڈاکٹر ذوالفقار کا کمرہ نہیں ہو سکتا۔ اتنے اچھے رنگوں کے ملبوس پہننے والا شخص اس کھنڈر میں نہیں رہ سکتا' نہیں نہیں کمرہ ہر انسان کی ذات کا عکس ہوتا ہے' رنگ' فرنیچر' سجاوٹی اشیائ' تصاویر' کمرہ انسان کا اندر ہوتا ہے' باطن ہوتا ہے' جہاں وہ آ کے پرسکون رہتا ہے' جہاں وہ خوش و مطمئن ہوتا ہے۔

کونے میں رکھی خالی "جانی واکر" کی بوتلیں اور اخباروں کے ڈھیر کے اوپر رکھے کرسٹل کے ایش ٹرے میں مسلے' جلے' ٹوٹے ختم کیے ہوئے سگریٹ کے بے پناہ ٹکڑے۔

کیا ذلفی ڈرنک بھی کرتے ہیں؟" اس نے خود سے سوال کیا۔"

انسان باہر سے کیسا ہوتا ہے؟ اور اندر سے کیسا؟ ظاہر و باطن میں اس قدر تضاد کیوں ہے؟" وہ خود سے الجھ رہی" تھی' تبھی فرخندہ بی اس آسیب زدہ کمرے کے اندر آئیں۔

بیٹا تمہاری گاڑی تمہیں لینے آئی ہے۔" انہوں نے کہا اور پھر ماہا ڈاکٹر ذوالفقار کے اس آسیب زدہ گھر "فائز محل" " سے واپس آ گئی۔

...☆☆☆...

ساحر گردیزی سے تم نے ڈنر کا وعدہ کیا تھا ماہا اور تم گئی نہیں۔" گھر آتے ہی راحلہ بیگم کی آنکھوں کا اسے سامنا کرنا پڑا تھا' ماں کی بات سن کے اسے ساحر سے کیا ڈنر کا وعدہ یاد آیا تھا' اور اس کی زبان دانتوں تلے آگئی۔

"...ہاں مما وعدہ تو کیا تھا لیکن"

اگر وعدہ کرنا آتا ہے تو اسے نبھانا بھی سیکھ لیا کرو۔" راحلہ نے خاصے روڈ انداز میں کہا۔"

ممی آپ کو پتہ ہے کہ یونیورسٹی ہی میں تھی کہ میں بارش میں پھنس گئی تھی' اور پھر مجھے ماریہ کے گھر ٹھہرنا پڑا۔ میں" کیسے جاتی ڈنر پہ۔" وہ صفائی پیش کرنے لگی۔

بہت دیر تک ساحر وہاں پہ تمہارا انتظار کرتا رہا' آج صبح اس نے مجھے فون کر کے پوچھا کہ تم کیوں نہیں آئی۔ اس" کے ڈیڈی نے مجھے بتایا کہ رات بھر بارش میں بھیگنے کے باعث اسے شدید فلو اور بخار ہو گیا ہے۔" راحلہ نے کہا۔

فلو اور بخار تو مجھے بھی ہے ممی اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" وہ جھنجھلائی۔"

بری بات ہے بیٹا یا تو کسی سے آنے کا وعدہ نہیں کرتے' یا پھر آ ہی جاتے ہیں' اب اگر تم وہاں نہ پہنچ سکی تو چلو اٹھو' " "گھر پہ اس کی عیادت کر آؤ' اچھا سا پھولوں کا گلدستہ بنوا کے لے آؤ' چلو اٹھو تم راحلہ حسن کی بیٹی ہو۔

مما پلیز زبردستی تو نہ کریں' آپ کو پتہ ہے میں جھوٹے وعدے نہیں کرتی' اگر مجھے پتہ ہوتا آسمان برسنے کے" پلان کا تو میں ہرگز یونیورسٹی نہیں جاتی' لیکن کم از کم اللہ تعالیٰ مجھ سے مشورہ کر کے بارش نہیں برساتے۔" ماہا نے مسکرا کے کہا۔

بحث مت کرو' کپڑے چینج کرو' شکل درست کرو' میں گاڑی نکلواتی ہوں' تم باسط Come on maha" انکل کے گھر ہو آؤ۔" راحلہ نے زبردستی اسے اٹھا کے کمرے کی طرف دھکیلا۔ وہ بے دلی سے تیار ہونے چلی گئی۔

اس لڑکی کو پتہ ہی نہیں اس کے لئے کیا ٹھیک ہے کیا نہیں؟ یا تو بہت معصوم ہے یا پھر بہت بے وقوف۔" راحلہ" اسے دیکھ کے بڑبڑانے لگیں۔

اور پھر وہ گلاب اور ٹیوب روز کے پھولوں کے ایک بڑے گلدستے اور گیٹ ویل کے کارڈ کے ہمراہ باسط گردیزی کے گھر دن کے بارہ بجے تک پہنچ گئی تھی۔ ڈرائیور نے اسے وہاں ڈراپ کر دیا تھا' اور ساحر نے جیسے ہی اسے دیکھا' وہ پہلی نظر اسے گویا کسی دوسری دنیا میں لے گئی۔ نجانے اس پری چہرے میں ایسا کیا تھا کہ آنکھوں کی دہلیز پہ کروڑوں خواب آ کے بکھر جاتے تھے۔

آنکھوں میں جو خواب ہیں ان کو باتیں کرنے دو
ہونٹوں سے وہ لفظ کہو جو کاجل کہتا ہے
موسم جو سندیسہ لایا اس کو پڑھ تو لو
سن تو لو اور راز جو پیاسا ساحل کہتا ہے
آتی جاتی لہروں سے کیا پوچھ رہی ہے ریت
بادل کی دہلیز پہ تارے کیونکہ بیٹھے ہیں
جھرنوں نے اس گیت کا مکھڑا کیسے یاد کیا
جن کے ہر اک بول میں ہم تم باتیں کرتے ہیں
راہ گزر کا موسم کا ناں بارش کا محتاج
وہ دریا جو ہر اک دل کے اندر رہتا ہے
کھا جاتا ہے ہر اک شعلہ وقت کا آتش دان
بس اک نقش "محبت" ہے جو باقی رہتا ہے

آنکھوں میں جو خواب ہیں ان کو باتیں کرنے دو

ہونٹوں سے وہ لفظ کہو جو کاجل کہتا ہے

وہ عجیب دیوانگی اور بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا' جو فیروزی اور نیلے ہم رنگ دوپٹے میں اک بڑا سا گلدستہ اٹھائے اس کے کمرے کے دروازے میں کھڑی تھی۔

اندر آسکتی ہوں۔" اس نے اجازت طلب کر کے اسے یاد دلایا۔"

اس طرح اجازت کے لئے شرمندہ تو نہ کریں۔" وہ بولا۔ ماہا اندر آگئی اور اس کے سامنے آکے کھڑی ہو گئی۔"

یہ پھول آپ کے لئے' سنا ہے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں' عیادت کرنے آئی ہوں آپ کی۔" اس نے بھرپور" مسکراہٹ کے ساتھ جملہ ادا کیا۔

شکر ہے اس بیماری کا کہ جس کے باعث ہمیں آپ سے ملاقات کا موقع مل گیا' ورنہ ہم تو طویل رات' برستی بارش" کے ساتھ انتظار ہی کرتے رہے۔" ساحر نے پھول وصول کر کے گلا کیا۔

معذرت کروں؟ کان پکڑوں یا پھر معافی نامہ لکھوں' یہ آپ ہی بتائیں۔ حقیقت میں میری غلطی تھی آپ کو انفارم نہ" کرنا' لیکن میں یونیورسٹی میں پھنس گئی تھی' اور بارش کی وجہ سے آنہ سکی۔ میرا زکام اور گلا آپ کو بتا ہی رہا ہو گا میرا عالم۔" اس نے کہا۔ بھاری آواز اور سرخ ناک اس کی طبیعت کی خرابی کے گواہ تھے۔

ویسے انتظار اک عجب اور بیقرار سی کشش لئے آتا ہے۔ انتظار' کبھی طویل' کبھی کربناک' تو کبھی کٹھور لگنے لگتی ہے" ان لمحوں کی زندگی' اگر آپ اس دن آجاتیں تو مجھے اس کیف کا پتہ آخر کس طرح چلتا۔" ساحر نے شاعرانہ انداز میں کہا۔

مطلب اچھا ہی ہوا کہ میں نہیں آئی۔" وہ بولی۔"

نہیں میرے مطلب کا غلط رخ نہ موڑیں۔" وہ بولا۔"

"چلیں میں ایک وعدہ کر سکتی ہوں کہ میں آپ کے بلانے پر ہمیشہ اسی طرح نہیں آؤں گی' اور آپ اسی طرح انتظار کا کیف چکھتے رہئے گا۔" اس کی مسکراہٹ طنزیہ تھی۔

"کیا یہ ظلم نہیں ہو گا؟"

"یہ آپ کی اپنی خواہش کا پھل ہو گا۔"

"خواہشیں تو لاتعداد ہیں' اور وہ بھی ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔" وہ آج بہت شاعرانہ طرز پہ بہے جارہا تھا۔

"میں چلوں بہت دیر ہو رہی ہے۔ صبح یونیورسٹی جانا ہے۔" اس نے بہتر سمجھا کہ رخصت ہونا چاہئے۔

"بہت دیر ہی سے تو آئی نہیں' اتنی جلدی کیوں جارہی ہیں۔" وہ اسے پکڑ کے تا عمر اپنے سامنے بٹھادینا چاہتا تھا۔

"اب اس سوال کا کیا جواب دوں؟" وہ پزل ہوئی۔

"پھر بلاؤں تو آئیں گی؟" ایک اور سوال۔

"پلیز ایسے سوال نہ کریں ساحر میں پزل ہو رہی ہوں۔" اس نے مسکرا کے اعتراف کیا' اور رخصت ہونے لگی۔

"سنیں۔" اس نے اسے روکنا چاہا۔

"جی کہیں۔"

"کچھ نہیں گھر آؤں گا پھر بتاؤں گا' آپ کی اپنی چھت تلے۔" اس نے ذومعنی انداز میں کہا۔ وہ مسکرا کے چلی گئی۔

"تمہاری چھت تلے تمہیں چرا کے لے جاؤں گا' اور تم انکار بھی نہ کر پاؤ گی۔" وہ مسکرا دیا اور پھولوں کو اٹھا کے بغور دیکھنے لگا' محبت زندگی میں ترنگ بھر رہی تھی۔

...☆☆☆...

"آج حرا کی سالگرہ ہے عدنان! کیا بڑی بات ہو گی اگر آج چھٹی کر لیں گے تو۔" الماری کے سامنے کھڑے عدنان سے فاطمہ نے کہا تھا۔ وہ اپنے لئے شلوار قمیض نکال رہا تھا۔

"آج جمعہ ہے' ہاف ڈے ہے' میں نماز جمعہ ادا کر کے جلدی گھر آجاؤں گا' اور یوں بھی تم نے ساری تیاری تو مکمل کر ہی لی ہو گی۔" عدنان نے اس کی طرف بنا دیکھے کہا۔

"کہاں ساری تیاری کی ہے عدنان' کیک آرڈر کیا تھا' وہ پک کرنا ہے' اذین کے لئے ڈریس لینا ہے' حرا کے لئے ہم دونوں کی طرف سے گفٹ ہونا چاہئے' وہ لینا ہے' بہت سے کام ایسے ہیں' جو میں اکیلے نہیں کر سکتی۔" وہ بولی۔

"تو عادل کو بلا لو' وہ تو یوں بھی جمعے کو فارغ ہوتا ہے۔" سفید رنگ کے واش اینڈ ویئر کا سوٹ اس نے منتخب کیا۔

"عادل اور آپ میں فرق ہے عدنان' حرا کے آپ والد ہیں اور ایک خاص دن تو آپ اس کیلئے موجود ہو سکتے ہیں ناں؟" فاطمہ نے غصے سے کہا۔

"تو آجاؤں گا ناں دو بجے کے بعد' نماز جمعہ سے فارغ ہو کے۔" وہ فاطمہ کو سمجھانے لگا۔ وہ منہ بسور کے کھڑکی کی طرف چہرہ کر کے بیٹھ گئی' اور کافی دیر بیٹھی رہی۔ اس دوران وہ تیار ہوا' کپڑے وغیرہ بدلے' کنگھی کی' اپنی چیزیں سمیٹ کے اس کے پاس آیا۔

"جا رہا ہوں میں' آج مجھے رخصت نہیں کرو گی؟" وہ مسکرا کے بولا۔ فاطمہ کا چہرہ بدستور دوسری طرف تھا۔

"سر کار جانے والوں کو محبت سے رخصت کرتے ہیں' اس طرح ان کے سفر آسانی سے کٹ جایا کرتے ہیں۔" وہ بولا۔ فاطمہ پھر بھی خاموش رہی۔

...☆☆☆...

"یہ دیکھو آج میں وہی گھڑی پہن کے جارہا ہوں' جو تم نے میری سالگرہ پہ مجھے گفٹ کی تھی' دیکھو ایک مولانا سٹیزن کی مہنگی واچ پہنے کیسا لگ رہا ہے؟" عدنان سے اس کی ناراضگی بالکل بھی سہی نہ جاتی تھی۔

"یار اب ختم کرو ناراضگی اور جانے دو مجھے' کہاناں آجاؤں گا' اور پھر ہم بہت انجوائے کریں گے شام کو' عادل اور اس کی بگ باس کو بھی انوائٹ کرلینا' اور بچوں کے فرینڈز کو بھی' اور حرا کے لئے گفٹ ہم ایک نہیں بہت سارے لے لیں گے' اسے باربی ڈالز پسند ہیں ناں؟ ہم بہت ساری ڈالز اسے لے دیں گے' اور وہ بڑا والا باربی ہاؤس بھی' ٹھیک ہے ناں؟ چلو اب تو دیکھو میری طرف۔" زبردستی عدنان نے اس کی ٹھوڑی اپنی انگلی سے سامنے رکھی۔ وہ ذرا بھی نہ مسکرائی۔

"اپنا خیال رکھنا چاند اور میری پھول سے بچوں کا بھی' جارہا ہوں میں' الوداع۔" اور اس طرح عدنان نے مسکرا کے اس کے ہاتھ پہ بوسہ ثبت کیا' اور اس کی طرف دیکھتا ہوا کمرے سے چلا گیا' اور وہ چاہ کر

بھی اسے روک نہ پائی۔

...☆☆☆...

ہاسپٹل پہنچایا گیا ہے' آپ پلیز یہاں آجائیں۔" اس سفاک اطلاع کے بعد قیامت کا شور سماعتوں سے کٹ گیا' اور" ٹیلی فون رکھ دیا گیا' لیکن فاطمہ کی سانسیں منجمد ہو گئی تھیں' بدن اور سوچ' ذہن و دل گویا سن ہو کر رہ گئے' اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

"!... خودکش حملہ... نماز جمعہ... عدنان"

فقط اس کی سماعتوں میں گردش کر رہے تھے۔

اس کا جسم مکمل طور پہ سن ہو گیا تھا' لیکن... لیکن اس نے خود کو ہارنے نہیں دینا تھا' وہ بوجھل دل اور لڑکھڑاتے وجود کے بل پہ اٹھی' اور اٹھ کے باہر کی طرف جانے لگی' اسے عادل کا خیال آیا' وہ مڑی' کریڈل سے ریسیور اٹھایا نمبر یاد آیا' آنسو ٹپ ٹپ بہت بے اختیاری میں آنکھوں سے بہنے لگے' کلیجہ پھٹ رہا تھا' اس نے بہت کوشش کی کہ نمبر یاد آجائے' پھر اس نے موبائل فون اٹھایا' اس میں پہلا نمبر ہی عادل کا تھا۔ نجانے کس طرح سے' کن لفظوں میں ٹوٹے لہجے میں اس نے عادل کو یہ خبر سنائی' اور پھر چکراتے سر کرُلاتی آنکھوں' اور لڑکھڑاتے پاؤں کے ساتھ وہ آگے بڑھنے لگی' اس نے ماسی کو بچوں کا خیال رکھنے کی تاکید کی' گھر کے باہر سے اس نے رکشہ لیا' اور پھر اس نے صدیوں کا سفر طے کیا' اپنے محبوب شوہر کے لئے۔

میرے بے خبر' میرے بے نشاں
میں تھا کس نگر تو رہا کہاں
یہ جو فاصلوں کی صلیب ہے
یہ گڑی ہوئی ہے کہاں کہاں
کہ زمان مکاں کی یہ وسعتیں
تجھے دیکھنے کو ترس گئیں
مرے چار سو ہے غبار جاں' وہ فشار جاں
کہ خبر نہیں میرے ہاتھ کو میرے ہاتھ کی
مرے خواب سے ترے بام تک
تری رہگزر کا ذکر تو کیا

نہیں ضو فشاں ترا نام تک

ہیں دھواں دھواں میرے استخواں

میرے نقش گر ُمیرے نقش جاں

اسی ریگ دشت فراق میں رہے منتظر ُتیرے منتظر

میرے خواب جن کے فشار میں

رہی میرے حال سے بے خبر ُتیری رہگذر

میری آرزو کہ ہے بے کراں ُمیری زندگی کہ ہے مختصر

میرے بے خبر ُمیرے بے نشاں

عباسی شہید ہاسپٹل اس وقت قیامت کے دن کی نشاندہی کر رہا تھا ُ کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا ُہر کوئی اپنی افراتفری میں دوڑ رہا تھا ُہر کسی کو اپنوں کی پڑی تھی ُایمبولینس بھر بھر کے زخمیوں کو لا رہی ُ منتقل کر رہی تھیں

ُاٹھاؤ ُرکھو ُپکڑو ُتھا ُمدد کرو آہ و فغاں تھی ُایسا شور اور ایسی چیخ و پکار کہ کسی کو کسی کی خبر نہ تھی کوئی کسی کے آنسوؤں پہ دھیان نہیں دے رہا تھا۔

شعبہ حادثات کے اس سفاک وارڈ میں وہ پہنچی۔ سرخ روتی آنکھوں اور بکھرے حلیے کے ساتھ ُفاطمہ اسے دیکھ کر کھڑی ہوئی تو یوں لگا کہ جیسے زمین پہ ڈھیر ہونے والی ہو ُعادل اس کو آئی سی یو وارڈ سے باہر لے آیا۔

"گھبراؤ نہیں اللہ سے دعا کرو ُوہ ٹھیک ہو جائے گا ڈاکٹرز اسے فوری طبی امداد دے رہے ہیں ُاس کی جان سلامت ہے فاطمہ ُاللہ اس کی جان کی حفاظت کرے گا۔" وہ اسے کرسی پر بٹھاتے ہوئے بولا۔

"میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔" وہ چیخنا چاہتی تھی ُ مگر چیخ نہ سکتی تھی۔

"ابھی نہیں بس کچھ ہی دیر میں اسے وارڈ میں منتقل کر دیں گے ُپھر دیکھ لینا۔" عادل نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام

رکھا تھا' وہ بالآخر اپنے صبر اور ہمت کے سبھی بند توڑ کے اس کے گلے سے لگ گئی' اور بے تحاشا آنسو بہانے لگی' وہ اس وقت ایک بن ماں باپ کی بچی کا باپ' بھائی' ماں' بہن اور دوست سب کچھ بن گیا' اپنی آنکھوں پہ ضبط کی اک کٹھور پٹی باندھی' اور اسے سہارا دینے لگا۔

"آج صبح جب وہ جا رہا تھا' تو میں اس سے خفا تھی' کہنے لگا جانے والوں کو محبت سے رخصت کرتے ہیں' اس طرح ان کے سفر آسانی سے کٹ جاتے ہیں' پھر بولا۔ "میں جا رہا ہوں فاطمہ' مجھے رخصت نہیں کرو گی؟" فاطمہ روتے ہوئے کہا۔

ہچکیاں لیتے ہوئے بولی۔

"مجھے کیا پتہ تھا عادل کہ آج وہ کیسے سفر پہ جا رہا ہے' اور وہ کس طرح کی رخصتی مجھ سے طلب کر رہا تھا۔" وہ ٹوٹ رہی تھی' منتشر ہو رہی تھی' ریزہ ریزہ ہو رہی تھی' اور اس کے الفاظ عادل کو بھی توڑ رہے تھے' اس کی آنکھوں کے بند بھگو رہے تھے۔

"عادل! وہ تو نماز جمعہ ادا کرنے گیا تھا' اپنے رب کی عبادت کرنے گیا تھا' اس کا کیا قصور تھا... کیا... کیا... کیا؟" وہ پھر تڑپ کے بولی۔

"فاطمہ وہ ٹھیک ہو جائے گا' تم سنبھالو خود کو۔" اس کے پاس حوصلے کے الفاظ مفقود ہو رہے تھے۔

اور پھر سفید پوش ڈاکٹر عادل کے پاس آیا' وارڈ میں افراتفری اسی طرح سے تھی' نرسوں اور ڈاکٹروں کے ہاتھ پاؤں بھی پھول رہے تھے' بنیادی طبی امداد دینے کے لئے ہر کوئی بھاگ رہا تھا۔

"ان کا آپریشن کرنا پڑے گا ایک ٹانگ کا لیکن بم کے ٹکڑے ان کے Blood veins میں آ چکے ہیں' اور وہ ٹکڑے بہت چھوٹے اور انتہائی خطرناک ہوتے ہیں' ہم کچھ کہہ نہیں سکتے۔"

"آپ آپریشن کیجئے ڈاکٹر صاحب' اگر کہیں تو انہیں کسی اور ہاسپٹل شفٹ کریں؟"

عادل خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔

"فائدہ کوئی نہیں ہے 'جتنا وقت ہے وہ بہت مشکل ہے 'فی الحال مریض آپ سے اور اپنی وائف سے ملنا چاہتے ہیں 'آپ مل لیں' پھر ہم انہیں اوٹی شفٹ کریں گے۔" ڈاکٹر نے عجلت میں کہا' اور پھر وہ فاطمہ کو لے کر آئی سی یو وارڈ میں گیا۔ وارڈ کے اندر بھی زخمیوں کی بھرمار تھی 'کچھ زخمی دم توڑ رہے تھے 'کچھ ٹوٹتی بکھرتی سانسوں کو سنبھالنے کی سعی کر رہے تھے' اور یہ سبھی ایک تاریخی اسکول کی عمارت کے اندر بنی مسجد کے نمازی تھے 'ان کے بہت سے ساتھی دوران جماعت شہادت کا درجہ پا چکے تھے' اور جو بچ گئے تھے' وہ تو اور زیادہ تکلیف میں تھے۔

انہی زخمیوں اور نمازیوں کی صف میں ایک وہ بھی تھا 'زندگی بھر کسی سے لڑائی نہ کرنے والا 'روٹھوں کو منانے والا 'اپنی راہ پہ چلنے والا 'شریف النفس 'غریب المزاج 'ایک سادہ دل معصوم سا شخص 'عدنان 'جس نے اپنے گھر اور اپنے بچوں کے بعد کسی سے دوستی نہ کی تھی 'جس نے اپنے رب سے ایسی لو لگائی تھی' کہ اس کی محبت میں اس نے دنیا ہی تیاگ دی تھی' اور وہ اپنی بقایا زندگی اسی رب اور اس کے رسولؐ کی محبت' اور ان کا نام لے کے 'ان کی سنت کی پیروی کر کے گزار دینا چاہتا تھا' اور آج بھی اپنی اسی محبت کا فرض ادا کرنے 'نماز پڑھنے 'اسی کے حضور جھکنے مسجد گیا تھا' اور نہ صرف وہ بلکہ تمام کے تمام نمازی اپنے رب کی اسی محبت کا حق ادا کرنے جماعت میں کھڑے ہوئے ہوں گے۔

اور یہ کیسا مسلمان تھا 'جس نے دوسری صف میں نمازیوں کے ساتھ کھڑے ہو کے نعرہ تکبیر کے بلند ہوتے ہی خود کو اور اپنے ساتھ کے تمام نمازیوں کے پرخچے اڑا ڈالے تھے ؟ خود کو جہنمی اور دوسروں کو جنتی بنا ڈالا تھا۔

لیکن کیا اس کی ٹریننگ اس طرح کی گئی ہو گی کہ اس نے جنت کا یقین کر کے اس عمل کو سر انجام دیا ہو گا؟ ہاں شاید 'اس کو یقین دلایا گیا ہو گا' کہ اس کے لئے جنت یقینی ہے۔

سفید شلوار قمیض میں لہولہان وجود 'چہرہ آدھا زخموں سے مسخ ہوا 'ڈرپوں 'نلکیوں میں جکڑا 'تکلیف سے تڑپتا ہوا وہ اس کا محبوب شوہر تھا' اسے دیکھ پانے کی وہ ہمت بھی نہ کر پا رہی تھی 'ابھی تک اس کے ہاتھ میں وہ سنہری ڈائل والی

گھڑی تھی' جس کے ڈائل کا شیشہ بھی ٹوٹ چکا تھا' فاطمہ کو دیکھ کر عدنان کے ہونٹوں پر اک دریدہ سی مسکراہٹ آئی' فاطمہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا' عدنان نے دوسری نظر عادل پر ڈالی۔

"یار میرے اللہ نے میری شہادت کیوں قبول نہیں کی؟" بڑی مشکل سے عدنان کے ہونٹوں سے یہ جملہ ادا ہوا تھا' جس پہ وہ اور تڑپ کے رودی۔

"اس کا... اس کا خیال رکھنا عادل' اسے یہ کہہ کر حوصلہ دینا کہ یہ... کہ یہ شہید کی بیوہ ہے۔" وہ یہ کہہ کے فاطمہ کی طرف دیکھنے لگا' اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں' فاطمہ کی گردن مسلسل نفی میں ہل رہی تھی۔

"ہم پھر ملیں گے' لیکن تب تک کے لئے... تب تک کے لئے۔" وہ زور زور سے سانسیں لینے لگا۔

"ڈاکٹر... ڈاکٹر... نرس... نرس۔"

عادل مدد کے لئے دوڑا۔

عدنان کے ہاتھ کی گرفت فاطمہ کے ہاتھ پہ مضبوط ہوگئی' وہ تیز تیز سانسیں لینے لگا' ارد گرد کی آکسیجن کو اپنے پھیپھڑوں میں سمیٹنے لگا۔

"لا الہٰ الا اللہ... محمد... رسول اللہ۔"

کلمہ پڑھتے ہی اس کی آواز ساکت ہوگئی' فاطمہ کے ہاتھ پہ اس کی گرفت ختم ہوگئی' سانس کی ڈوری ٹوٹ گئی' آنکھوں کی پتلیاں جامد ہوگئیں' وقت ٹھہر گیا' پھر ڈاکٹر آیا' نرسیں آئیں' اس کا ہارٹ مساج کیا' پمپ کیا' لیکن... لیکن شہید کی روح فانی جسم سے آزاد ہو چکی تھی۔

شہید کی روح شہادت کی منازل طے کرکے رخصت ہو چکی تھی۔

آنکھ ساکت ہے مگر دکھ ہے قیامت کا فراز

ظالم اب بھی نہ روئے گا تو مر جائے گا

...☆☆☆...

"راحیل...راحیل پلیز اٹھو' مجھے بہت تکلیف ہے' پلیز اٹھو۔" روشین نے اسے بری طرح جھنجھوڑا تھا' وہ گھبرا کے اٹھ بیٹھا تھا۔

"کیا ہوا روشین! تم ٹھیک تو ہوناں۔"

لیمپ لائٹ آن کر کے راحیل نے اس کی طرف دیکھا' اس چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ پسینے سے تر بتر تھا' اور وہ بری طرح تڑپ رہی تھی۔

"اٹھو روشی! ہمیں ہاسپٹل بلایا ہے ثانیہ نے۔" راحیل نے روشین کو اٹھانے کی کوشش کی' لیکن وہ جیسے ہی اٹھی' آنکھوں کے آگے تاریکی سی چھا گئی' سر چکرا گیا' اور وہ بے ہوش سی ہو گئی۔

راحیل کے بازوؤں میں جیسے ڈھے سی گئی۔

راحیل اس کے بے ہوش وجود کو اٹھاتا' بہت آہستگی اور احتیاط سے باہر تک لے آیا' اور گاڑی کے فرنٹ سیٹ پہ لٹا دیا' اور نجانے کس طرح سے خود کو سنبھالتے' لرزتے لڑکھڑاتے ہوئے اس نے ڈاکٹر ثانیہ کے ہاسپٹل تک گاڑی ڈرائیو کی' وہ مسلسل روشین کی طرف سے فکر مند تھا۔

ڈاکٹر ثانیہ کو راحیل نے اپنے سے زیادہ فکر مند پایا' وہ بے ہوش روشین کو لیبر روم میں شفٹ کرا گئی' اور راحیل باہر کاریڈور میں بے چین و بیقرار بیٹھا رہا' اور پھر چند ہی منٹوں بعد ثانیہ لیبر روم سے باہر آئی۔

"راحیل بھائی! Miss carriage ہو چکا ہے' فوری طور پر آپریشن کرنا پڑے گا۔" متفکر ثانیہ نے اسے بتایا' اور گویا

راحیل کے سر پر آسمان آگرا۔

"اومائی گاڈ۔" وہ اس کے علاوہ کچھ نہ کہہ پایا' کانچ کے ڈھیروں خواب ایک ہی پتھر کی کرچی سے ٹوٹ کے بکھر گئے تھے۔

"اس کی جان خطرے میں ہے' جلدی سے آپ پیپرز پہ سائن کر دیں۔" ثانیہ نے کہا۔

"آپ پلیز اس کی جان بچائیں ڈاکٹر ثانیہ' وہ ہوگی تو اور بچے ہوں گے ناں؟ آپ پلیز اسے بچائیں۔" راحیل کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے' وہ تڑپ رہا تھا۔

"تم حوصلہ رکھو' میں ابھی اوپریٹ کرتی ہوں۔" ثانیہ حوصلے کے چند ناکافی لفظ کہہ کے چلی گئی' اور پھر اگلے گزرنے والے دو گھنٹے گویا اس کے لئے دو صدیوں کے برابر تھے' اور پھر ایک بار اور پریشان اور متفکر ثانیہ باہر آئی۔

"ہاسپٹل کے ماہر سرجن بھی میرے ساتھ اندر موجود ہیں' زہر اس کے Utres میں پھیل گیا ہے' ہمیں... ہمیں Utres نکالنی پڑے گی۔"

ثانیہ نے کہا۔

"کیا... ؟" وہ ہونقوں کھڑا تھا۔

"وہ دوبارہ کبھی ماں نہیں بن پائے گی۔"

خبر اک صدمہ تھی' لیکن اس صدمے کو بہرحال سہنا تھا۔ وہ خاموش کھڑا رہا' کچھ اور صدیاں بیت گئیں' اس کے اندر دیر تک دھماکے ہوتے رہے۔

یہ لمحوں میں کیا سے کیا ہو گیا تھا؟ کائنات ٹوٹ کے بکھر سی گئی تھی' زندگی نے یہ کیسا رخ بدلا تھا؟ کہ ہر منظر پہ

دھواں سا چھا گیا تھا' اور آنکھیں دھندلی ہو گئی تھیں' یہ لمحوں میں کس طرح سے خواب ٹوٹ گئے تھے؟ یہ اچانک کیسا زلزلہ آیا تھا' جس نے خوابوں کے بنے بنائے آشیانے تہس نہس کر دیے تھے؟ کتنے خواب دیکھے تھے اس نے' اور روشین نے' کتنی امانتیں ان دونوں نے اپنے مستقبل کو سونپ رکھی تھیں' کتنی ڈوریاں انہوں نے اپنے مستقبل سے باندھ رکھی تھیں' یوں لمحوں میں کیونکر تمام ڈوریاں ٹوٹ گئیں؟ کس طرح سے طوفان کی ضد میں آ گئی تھی' خوابوں کی اک خوبصورت کائنات؟

تمناؤں کی کہکشاں' آشاؤں کی رہگزر' یہ تو سراسر ظلم تھا' ناانصافی تھی' غضب تھا' قہر تھا' سزا تھی' ایسا کون سا قانون تھا قدرت کا' جس نے برسوں کی دعاؤں کے جمع کیے پھول ایک ہی جھونکے سے بکھرا دیئے تھے' اور ایسے بکھرا دیئے تھے' جن کا اب تاعمر سمٹنا ممکن نہ تھا۔

ابھی تو وہ بے ہوش تھی' بے خبر تھی' اور بے خبری بے ہوشی میں ہی اپنا سب کچھ گنوا بیٹھی تھی' اور جب اسے ہوش آئے گا' جب وہ شعور کی دنیا میں واپس لوٹے گی' تو کیا کرے گی؟

جس متاع کو کھو چکی تھی' اس کے کھونے کا صدمہ کیسے سہے گی' نجانے کیا کرے گی؟ کتنا روئے گی؟ کتنا چلائے گی؟' بیڈ پہ لیٹی روشین کے چہرے کی طرف دیکھتا راحیل فقط یہی سوچ رہا تھا۔

...☆☆☆...

صبح بڑی دیر بعد روشین کو ہوش آیا تھا' لیکن جب اس کو ہوش آیا تو دل کیا کہ دوبارہ بے ہوشی کی دنیا میں واپس پلٹ جائے' ہاسپٹل کی کھڑکی پہ بارش کی ہلکی ہلکی بوندیں ٹپ ٹپ برس رہی تھیں' اس کے ہاتھ کی نس میں لگا ڈرپ بھی بارش کی انہی بوندوں کی طرح ٹپ ٹپ برس رہا تھا' اور ڈرپ کی دوا قطرہ قطرہ اس کے جسم میں منتقل ہو رہی تھی' ہوش میں آتے ہی اس کے ذہن میں پچھلے گزرے لمحوں کا اک شور اٹھا' اسے اپنی کوکھ کے بچے کا خیال آیا' اس کا دوسرا ہاتھ

اپنے جسم کے اس حصے پہ گیا' جہاں ہاتھ رکھ کے وہ اپنے بچے کی موجودگی کا یقین کرتی تھی' لیکن اس جگہ ان ننھی منی سانسوں کی لرزش نہ تھی' وہ احساس نہ تھا' وہ جان نہ تھی' وہ رمق نہ تھی۔

راحیل سامنے رکھے صوفہ پہ آڑھا ترچھا سو رہا تھا' مسلسل جاگنے کے باعث اسے اب نیند کے جھونکے نے آ گھیرا تھا' روشین گو کہ اس دکھ کو جان گئی تھی کہ وہ اپنے بچے کو کھو چکی ہے' لیکن اس دکھ پہ یقین کرنا' اور اس حقیقت کو تسلیم کر لینا اس کے ذہن کو گوارا نہ تھا' اس کا ذہن پہلے پہل پریشان ہوا' پھر اس نے اٹھنے کی سعی کی' لیکن جسم میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ احساسات' جذبات اور درد کا بوجھ ڈھو سکے' لہٰذا وہ لڑکھڑا کے دوبارہ تکیے پہ ڈھیر ہو گئی۔

راحیل... راحیل... اٹھو راحیل۔" وہ تڑپی' راحیل ہڑبڑا کر اٹھا' اور تیزی سے اس کے پاس آیا۔"

روشین' آپ مت اٹھو' مجھ بتاؤ کیا چیز چاہیے؟" وہ اسے سنبھالتے ہوئے بولا۔"

راحیل... میرا بچہ؟... میرا بچہ؟" وہ بھیگی آنکھوں سے ایسا سوال کر رہی تھی کہ جس کا راحیل کے پاس کوئی قابل" اطمینان جواب نہیں تھا' اس نے آنکھیں جھکا لیں' جیسے کہ وہ اس کا مجرم ہو۔

بولو ناں راحیل... بتاؤ ناں؟ میرا بچہ کہاں ہے؟" وہ اب رونے لگ گئی تھی۔"

نہیں راحیل... نہیں نہیں... ایسا نہیں ہو سکتا' ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔" وہ بے یقینی اور دکھ کی انتہا پر تھی' راحیل کی" اپنی آنکھیں بھی آنسوؤں کی زد سے بچ نہ سکیں' اور اسے سنبھالتے سنبھالتے وہ بھی رونے لگ گیا۔

راحیل! ہمارے خواب' ہماری دعائیں' ہمارا گھر' ہمارے گھر کا پہلا چراغ تھا' وہ ہماری خواہشوں کی پہلی قندیل تھا' "
"ہم نے اسے کیسے کھو دیا راحیل؟ کیسے...؟ ہم اسے اب کہاں سے ڈھونڈیں گے کس طرح سے تلاش کریں گے؟
وہ بلک بلک کے کہہ رہی تھی۔

راحیل کے لئے اسے سنبھالنا مشکل سا ہو گیا تھا' اور پھر اس کے بعد ڈاکٹر ثانیہ نے بھی اسے حوصلہ دینے کی' سنبھالنے

کی بہلانے کی بہت کوشش کی' لیکن اس کا دکھ اتنا شدید اور اتنا گہرا تھا کہ جس سے نکلنا اس کے لئے اتنا آسان نہ تھا' اور پھر بچے کو کھونے کا دکھ ماں سے بڑھ کر اور جان بھی کون سکتا ہے۔

...☆☆☆...

وہ پچھلے ایک ہفتے سے عجیب قسم کے روز و شب گزار رہا تھا' صبح اپنے گھر سے فاطمہ کے گھر آتا' دن بھر بچوں کے ساتھ گزارتا' اور رات گئے بچوں کو کھانا وانا کھلا کے' سلا کے پھر گھر واپس آتا' بچے تو یوں بھی

اس سے مانوس تھے' اس کے پاس رہتے' اور اپنا دل بہلا لیتے تھے' ملنے والوں اور تعزیت کرنے والوں کا بھی سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔

فاطمہ کی تو بہت عجیب حالت تھی' نہ کچھ کھا رہی تھی' نہ سو رہی تھی' نہ کسی سے کچھ بول رہی تھی گو کہ اس طوفان کو گزرے ڈیڑھ ہفتہ ہونے کو تھا' لیکن اس طوفان کے آثار ابھی تک روح سے مٹے نہ تھے' ابھی خیالوں سے چھٹے نہیں تھے' وہ دن بھر کمرے میں بند رہتی تھی' بچوں پر بھی اس کا کوئی دھیان نہیں تھا' بس کام کرنے والی شبانہ بچوں کی دیکھ بھال کرتی اور کھانا بناتی تھی' عادل سے بھی فاطمہ کی بول چال نہ ہونے کے برابر تھی' سامنا ہوتا بھی تو یوں جیسے شناسائی ہی نہ ہو' گو کہ دکھ دونوں کا برابر ہی تھا' عادل نے اپنا گہرا دوست کھویا تھا' اور فاطمہ نے شوہر' لیکن سوال یہ تھا کہ اس دکھ کو سمیٹا جائے تو کیسے؟ اس سے نپٹا جائے تو کس طرح؟

آج بھی وہ گھر جانے سے قبل فاطمہ کو کھانا دینے کے لئے اس کے کمرے میں آیا تھا' ایسا وہ پچھلے کئی دنوں سے کر رہا تھا' لیکن اگلی صبح جب آتا تو اکثر اسے کھانا اسی طرح سے ملتا' اکثر ٹرے میں پڑے کھانے کو فاطمہ ہاتھ بھی نہ لگاتی' اسی لئے آج وہ خود کھانا لئے اس کے کمرے میں آ گیا' پہلے دستک دی' لیکن دیر تک کوئی جواب نہیں آیا' پھر وہ

خود ہی دروازے کو دھکیل کے اندر آ گیا۔

وہ بیڈ پہ نیم دراز آنکھیں کھولے سامنے لٹکتے پردے کو گھور رہی تھی' آنکھیں مسلسل کھلی تھیں' بے رنگ' بے رونق' کمزور' اندر دھنسی ہوئی آنکھیں' سوکھا' کملایا پیلے رنگ کا چہرہ۔

وہ کھانے کی ٹرے درمیان میں رکھ کے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ فاطمہ نے اس کے آنے کا گویا کوئی نوٹس ہی نہ لیا' اور اسی طرح بیٹھی رہی' بے روح بے جان۔

"کھانا کھالو فاطمہ۔" وہ بولا۔

فاطمہ نے جیسے سنا ہی نہیں۔

"فاطمہ... فاطمہ پلیز' کھانا کھالو۔" اب کے عادل نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔ اسے کچھ دیر کے لئے تو سمجھ ہی نہیں آیا کہ وہ کون ہے؟ یہاں کیوں بیٹھی ہے؟ احساس و آگہی سب کھو چکی تھی وہ۔

"پلیز ذرا سا کھانا کھالو فاطمہ۔" عادل نے اپنی التجا دوہرائی' فاطمہ کے Reflexes نے عادل کو پہچاننا شروع کیا۔ اس نے کھانے کی ٹرے کی طرف دیکھا' اور پھر عادل کی طرف' اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی کی سطح نظر آئی' اور اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"پلیز فاطمہ' کب تک نہیں کھاؤ گی کھانا؟

کب تک یونہی خود سے بھی بے خبر بیٹھی رہو گی؟

تمہارے بچوں کو تمہاری ضرورت ہے' والد تو ان سے قسمت نے ویسے ہی چھین لیا' اب تم ان سے والدہ تو نہ چھینو۔" عادل کے لفظوں نے ایک بار پھر فاطمہ کے زخم کو تازہ کر دیا' اور اسے یاد آ گیا کہ قسمت کی سفاکی نے اس سے اس کے سب سے پیارے انسان کو موت کی نیند سلا دیا تھا' اس کے ساتھ بھری بہار کے دنوں میں یہ کیسا سانحہ ہو گیا تھا کہ اس کا سب کچھ لٹ گیا تھا' اور وہ بے آباد بنجر زمین کی طرح ہو گئی تھی' آنسو اس کی پہلے سے متورم آنکھوں سے

ابل کے باہر گرے۔

"مت روؤ اس طرح' مت اور غمزدہ کرو خود کو' تم شہید کی بیوہ ہو' اس سے بڑھ کر اور کیا رتبہ چاہیے تمہیں؟ تمہارے شوہر کو شہادت کی موت ملی ہے' ایسی موت جیسی ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے' وہ نماز جیسے فریضے کو ادا کرتے ہوئے مرا ہے' وہ جنتی ہے' اور وہ مرا نہیں ہے' کیونکہ شہید کبھی مرتے نہیں' کبھی نہیں۔" عادل نے کہا۔ وہ مسلسل خاموش آنسو بہاتی رہی۔

"کھانا کھا لو فاطمہ' دیکھو ایک دوست کی حیثیت سے ہی میری بات مان لو۔" اس نے التجا کی۔

"کھا لوں گی میں۔" بھاری آواز میں اس نے فقط اتنا ہی کہا۔

"گو کہ عادل کہنا چاہتا تھا کہ میں تمہیں اپنے سامنے کھلانا چاہتا ہوں' مجھے پتہ ہے تم نہیں کھاؤ گی۔" لیکن وہ ایسا کچھ بھی نہ کہہ سکا' اور خاموشی سے اٹھ کے جانے لگا۔

"میں عدت میں ہوں' اور کسی سے ملنا نہیں چاہتی' پلیز میں مزید تعزیت کے لئے آنے والے لوگوں کا بھی سامنا نہیں کرنا چاہتی' گھر کے باہر تالا لگا دو یا کوئی بھی بہانہ بنا دو' مگر مجھے کسی سے نہیں ملنا۔" فاطمہ کا لہجہ نم اور زخم خوردہ تھا' عادل سمجھ گیا کہ اس "کسی" میں وہ خود بھی شامل ہے' اور فاطمہ صاف لفظوں میں اسے بھی گھر سے نکل جانے کو کہہ رہی ہے' لیکن عادل نے اس کا برا نہیں منایا' وہ ذہنی طور پہ جس حالت میں تھی' وہ اس کا اندازہ لگا سکتا تھا۔

اگلی صبح وہ ناشتے سے بھی پہلے وہاں موجود تھا' کام والی شبانہ ابھی تک ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی تھی' دونوں بچے گو کہ جاگ چکے تھے' لیکن کارٹون لگا کے انہیں دیکھنے میں مصروف تھے۔

"حرا... اذین... برش کیا تم لوگوں نے؟" عادل کے سوال پہ دونوں بچوں نے گردن نفی میں ہلائی۔

"یہ صبح کے وقت کارٹون دیکھنے کا کون سا اصول ہے؟ اور یہ تم لوگ اسکول کیوں نہیں جاتے۔" وہ بچوں کے بکھرے ہوئے کھلونے سمیٹ کے رکھ رہا تھا۔

اسکول تو مما بھیجتی ہیں' وہ ہی ہم سے نہیں بولتی اور پاپا' وہ تو اللہ میاں کے پاس چلے گئے۔" اذین کے لہجے میں دکھ اور افسوس کی ملی جلی کیفیت تھی' عادل کے دل میں کہیں اک ٹیس سی اٹھی۔

چلو نکلو بستر سے' ناشتہ کر لو' پھر ہم کہیں گھومنے چلتے ہیں۔" عادل نے ان کا بستر کھینچا اور اسے درست کرنے لگا۔"

مما کو بھی لے جائیں گے؟" حرا نے معصومیت سے سوال کیا۔"

بیٹا! مما کی طبیعت ٹھیک ہو گی تو ان کو ضرور ضرور لے جائیں گے' فی الحال ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ناں۔" عادل" نے حرا کو سمجھایا' اور ننھی بچی فوراً بہل گئی۔

آپ مجھے باربی ڈول بھی لے دیں گے ناں؟" وہ بولی۔"

ہاں میری جان! میں اپنی گڑیا کو ضرور ڈول لے دوں گا۔" عادل نے اس کے گال پہ پیار کیا' اور جب وہ دونوں واش" روم میں جانے لگے تو عادل باہر آ گیا۔

تم نے بچوں کا ناشتہ بنایا؟" انہوں نے کام والی سے پوچھا۔"

ابھی بنا لوں گی صاب... ڈبل روٹی جیم ہی تو کھاتے ہیں۔" شبانہ نے کہا۔"

نہیں آج تم انڈے ابال لو اور ٹوسٹ بناؤ' ساتھ میں دودھ کے گلاس اور فاطمہ بی بی کے لئے آملیٹ روٹی بناؤ۔" اس" نے کہا۔

باجی تو ناشتہ نہیں کرتیں۔" شبانہ کے لہجے میں دکھ تھا۔"

وہ کریں گی۔" عادل نے فقط اتنا کہا۔"

"آپ کے لئے بناؤں صاب جی؟"

شبانہ نے مسکرا کے پوچھا۔

ہاں بنا لو' میں بھی کروں گا۔"وہ آہستگی سے بولا۔"

ناشتے کی ٹیبل پہ اس نے دونوں بچوں کو پاس بلا کے ناشتہ کروایا' فاطمہ کا ناشتہ اندر جا کے رکھ آیا' بنا اس سے کوئی بات کیے' رات کے برتن واپس لے آیا' جس میں سے تھوڑا سا کھانا کھایا گیا تھا' باقی بچا ہوا تھا' بہر حال عادل مطمئن ہو گیا کہ اتنے دنوں بعد اس نے کچھ کھایا تو سہی۔

شبانہ۔"اس نے کام والی کو پکارا۔"

"!جی صاب جی"

"اچھی سی چائے بناؤ' ایک کپ مجھے دو اور ایک کپ اندر جا کے اپنی باجی کو دے آؤ۔"

اچھا صاب جی۔"شبانہ نے مسکرا کے حامی بھری' آج بہت دنوں بعد گھر کا ماحول کچھ بہتر محسوس ہو رہا تھا۔"

...☆☆☆...

کیا کہا ممی...؟باسط انکل میرے لئے پرپوزل لے کر آئے تھے' اپنے بیٹے کا؟ مجھے یقین نہیں آرہا۔"راحلہ کی بات سن کر ماہا چیخی تھی۔

کیوں یقین نہ آنے کی کیا وجہ ہے؟ یہ تو اچھی بات ہے' اچھے گھروں کی بیٹیوں کے رشتے آتے رہتے ہیں' اور پھر تمہاری شادی کی عمر بھی تو ہو گئی ہے۔"راحلہ نے اسے یاد دلایا۔

ممی میں ابھی پڑھ رہی ہوں' وہ بھی میڈیکل' مجھے ابھی اپنی تعلیم مکمل کرنی ہے' پھر ہاؤس جاب' پھر اسپیشلائزیشن اور بعد میں پریکٹس' مجھے کم از کم آٹھ نو سال اور چاہئیں' بعد میں شادی کروں گی۔"وہ ماں کو Colculate کر کے بتا رہی تھی۔

بیٹا تعلیم کے لئے پوری زندگی پڑی ہے' لیکن شادی کی ایک مخصوص عمر ہوتی ہے' اگر وہ گزر جائے تو لڑکیوں کے لئے اچھے رشتے آنے بند ہو جاتے ہیں۔" راحلہ بیگم نے کہا۔

یہ آپ کی سوچ تو نہیں ہو سکتی ممی' یہ سوچ کسی گاؤں کی ان پڑھ عورت کی ہو سکتی ہے میری ممی کی نہیں۔" ماہا نے کہا۔ اس کے لہجے میں طنز تھا' یا خوشامد' یہ راحلہ سمجھ نہیں پائی۔

پرپوزل بہت اچھا ہے' ساحر اکلوتا بیٹا ہے' پڑھا لکھا' خوبصورت سلجھا ہوا' اور اس کی فیملی ہماری دوستوں کی فیملی ہے۔" راحلہ نے کہا۔

مجھے پتہ ہے ممی' لیکن مجھے اس سے شادی نہیں کرنی' وہ بہت... وہ بہت عجیب ہے۔" ماہا نے الجھتے ہوئے کہا۔"

کیا عجیب ہے اس میں؟ یورپ میں رہا ہے' لیکن پھر بھی کوئی بری عادت نہیں اس میں' اتنی اچھی تعلیم' اتنی اچھی ڈگری ہے اس کے پاس اور سب سے بڑھ کر وہ ہمارے اسٹیٹس کے مطابق ہے' وہ ہمارے

گھر کا داماد بننے کے لئے بالکل پرفیکٹ ہے۔" راحلہ نے بلند آواز میں کہا۔

لگتا ہے آپ نے اس پرپوزل کے لئے حامی بھر لی ہے۔" ماہا لمحہ بھر کے لئے خوفزدہ ہو گئی تھی۔"

حامی نہیں بھری' لیکن انکار کرنے کا بھی کوئی جواز نہیں میرے پاس۔" وہ بولیں۔"

ممی' میں یہاں شادی نہیں کر سکتی۔" اس نے کہا۔"

"لیکن کیوں؟ آخر کیا وجہ ہے؟"

میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں۔" وہ اعتراف کرتے ہوئے بولی۔"

راحلہ کے چہرے پہ اک سایہ سا لہرایا' انہیں بہت غصہ آیا' لیکن اگلے ہی لمحے انہوں نے خود کو بہتر طور پر سنبھال لیا اور اک گہری سانس لے کے اپنی جگہ سے اٹھیں' اور بنا کچھ کہے ماہا کی طرف دیکھتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئیں۔

...☆☆☆...

رات کے وقت راحلہ اس کے کمرے میں ایک بار پھر آئی' ان کی آنکھوں سے لگ رہا تھا کہ وہ بہت دیر تک روتی رہی ہے' آنکھوں میں سرخ ڈورے سے تھے' اور ناک بھی سرخ تھی' ماہا گو کہ اپنے سامنے کتاب کھولے اس کو بغور پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی' لیکن اس کا دھیان بالکل بھی کتاب پر نہیں تھا۔

آئیے ممی۔" وہ کتاب رکھ کے سیدھی ہو کے بیٹھ گئی' جانتی تھی کہ ممی اس سے خفا ہوں گی' اس ایک بات کے" باعث جو اس نے کہی تھی۔

راحلہ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی' اور بیڈ کے ساتھ رکھے سیاہ رنگ کے ریگزین کاؤچ پہ بیٹھ گئیں۔

"جی ممی۔"

کون ہے وہ جس سے تم شادی کرنا چاہتی ہو؟ کیا اس کا اسٹیٹس اور اس کی فیملی ہمارے برابر کی ہے کہ نہیں' اور کیا تم" اس کے متعلق سیریس ہو؟ مکمل طور پر تم نے سوچ لیا ہے سب کچھ؟" ممی کے سوال اس کے لئے جتنے غیر متوقع تھے' اس سے کہیں زیادہ مشکل۔ وہ ان میں کس سوال کا جواب دیتی اور کس طرح سے دیتی' وہ خاموشی سے اپنے ہونٹ کاٹتی رہی' اور اس کی خاموشی کے یہ لمحے راحلہ پہ بہت دشوار گزر رہے تھے۔

دیکھو بیٹا' تم باشعور ہو' تعلیم یافتہ ہو' میری اکلوتی بیٹی ہو' تم کوئی بھی فیصلہ لو گی' میں مخالفت نہیں کروں گی' بشرطیکہ" وہ فیصلہ واقعی تمہارے اور تمہارے خاندان کے حق میں ہو۔" راحلہ نے ٹھنڈی سانس لے کے کہا۔

بے شک مجھے ساحر گردیزی پسند ہے' اور اس کی فیملی بھی' لیکن تمہارے اوپر کچھ بھی لاگو کرنا مجھے ہرگز ناپسند ہے۔" " وہ کچھ توقف کے بعد بولیں۔

ماہا کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا' راحلہ بیٹی کی اس مسلسل چپ کو اس کا گریز اور خوف سمجھتی رہیں' وہ صوفہ سے اٹھ کے بیڈ پہ

اس کے پاس بیٹھ گئیں' اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔

دیکھو بیٹا' آج صبح جب تم نے مجھے بتایا کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو' مجھے تم پہ بہت غصہ آیا' میں بہت الٹا سیدھا سوچتی" رہی' لیکن جب میں اپنے کمرے میں گئی' اور وہاں پہ رکھی تمہاری بچپن کی تصویر دیکھی تو میں بہت روئی' مجھے احساس ہوا کہ میں نے تمہیں' اپنی اکلوتی اولاد کو بہت منتوں مرادوں کے بعد حاصل کیا ہے' میرے لئے بیٹوں سے بڑھ کر ہو' اور میں تمہیں ہرگز دکھی نہیں کر سکتی۔" یہ کہتے ہوئے راحلہ کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی جھلملائی۔

پتہ ہے ماہا' تمہاری ماں کو ہر چیز بنا مانگے ملی' دولت' جائیداد' محلوں جیسے گھر' گاڑیاں' لیکن تمہیں پانے کے" لئے تمہاری ماں نے بہت دکھ دیکھے' ننگے پاؤں بزرگوں کے درباروں پہ گئی' کئی مہینے روزے رکھے' اور تمہیں جب پایا تو بس کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہی۔" راحلہ کی باتیں ماہا کے دل میں فخر کا وہ احساس دلا رہی تھیں جو اکثر یہ باتیں سن کر اسے ہوتا تھا۔

آئی لو یو ممی۔" وہ بے اختیار بولی۔"

آئی لو یو ٹو میری جان۔" راحلہ نے فوراً کہا۔"

اب مجھے پلیز بتاؤ کہ تم کس کو پسند کرتی ہو؟ تاکہ ہم کسی طرح بات آگے بڑھا سکیں۔" وہ بولیں۔"

ممی کیا یہ کام میری میڈیکل کی تعلیم تک ملتوی نہیں ہو سکتا؟ میں اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتی ہوں۔" وہ بولی۔"

"بیٹا تمہاری تعلیم میرے لئے بھی بہت ضروری ہے' مگر اگر تمہیں کوئی پسند ہے' اور تم نے اسی کے ساتھ شادی کا فیصلہ کر لیا ہے تو پلیز بتا دو' ورنہ رشتے آتے رہیں گے' اور کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی موڑ پر میں تمہیں مجبور کروں یا تمہارے ساتھ زیادتی کروں۔" راحلہ نے کہا۔

ماہا کے پاس کوئی جواب نہ تھا' وہ مسلسل اپنے ناخن دانتوں سے چباتی رہی۔

"کیا تمہارا کوئی کلاس فیلو ہے؟" راحلہ نے اس کے لئے معاملہ آسان کرنا چاہا' اس کی گردن نفی میں ہلی۔

"تو کیا پھر کوئی دوست؟" دوسرے سوال پہ بھی گردن انکار میں دائیں سے بائیں ہلی۔

"پلیز ماہا مجھے پزل مت کرو' بتاؤ وہ کون ہے؟" اب کے وہ زچ ہو گئیں۔

"وہ... وہ میرے ٹیچر ہیں' ڈاکٹر ذوالفقار۔" ماہا نے ڈرتے ڈرتے بتایا' اور راحلہ کی حیرت اور شاک کی کوئی انتہا نہیں تھی اسے سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ ماہا کو کیا کہے؟ ڈانٹے... خفا ہو... منع کردے یا پھر سمجھائے' ایک بار پھر اکلوتی بیٹی کی ماں بے بسی کی انتہا پر تھی' لیکن انہوں نے خود کو سنبھالنے کی مکمل کوشش کی۔

"اور کیا... وہ بھی؟" وہ ٹکڑے جوڑ کے جملہ بنانے لگیں۔

"نہیں... یہ یکطرفہ محبت ہے ممی۔" ماہا نے اعترافاً کہا۔

"یہ محبت نہیں بے وقوفی ہے ماہا' سراسر بے وقوفی' اور میں تمہیں یہ بے وقوفی کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دوں گی' میں کل ہی باسط بھائی کو بلوا کے ہاں کہے دیتی ہوں۔" راحلہ یہ کہتی اٹھ گئی' اور باہر جانے لگیں۔

"ممی! ممی پلیز میری بات سنیں' ممی پلیز۔"

وہ عقب سے پکارتی رہ گئی' مگر راحلہ ایک لمحے کو بھی نہیں رکی' وہ اس قدر حیرت بھرے غصے میں تھی کہ وہ ماہا کی کوئی بات سننا نہیں چاہتی تھیں' انہیں اپنی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی سے ہرگز یہ توقع نہیں تھی۔

...☆☆☆...

بہت دن گزر گئے تھے' روشین اور راحیل ایک یہ چھت تلے دو اجنبیوں کی سی زندگی گزار رہے تھے' بہت کم دونوں کی بات چیت ہوتی' آنکھیں ملتیں تو دونوں اس طرح چرا لیتے کہ جیسے دونوں ہی ایک دوسرے کے گناہ گار ہوں' روشین ان دنوں حد سے زیادہ ڈپریس تھی' لیکن خود کو سنبھالنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی' اور اس کوشش

میں راحیل بھی اس کا بھر پور ساتھ دے رہا تھا' وہ تقریباً روز شام کو اسے گھمانے لے جاتا تھا۔ ڈنر' شاپنگ' مگر روشین کی طبیعت سنبھل نہ پاتی' وہ بدستور اداس اور خاموش رہتی۔ جہاں اس کی نظر کسی بچے پہ پڑتی' وہ رو پڑتی یا پھر راحیل سے بے وجہ لڑنے لگ جاتی۔

آج بھی راحیل اسے شاپنگ کرانے لے آیا تھا' دو دن بعد راحیل کے ایک کولیگ عاشر کی شادی تھی' اور گزشتہ تمام پارٹیز اور فنکشنز کی طرح راحیل چاہ رہا تھا کہ اس بار بھی روشین کوئی اچھی سی ساڑھی یا لباس پہن کے اس کے ہمراہ چلے' اور اسی طرح مسکرائے' کھلکھلائے اور دنیا کو احساس دلائے کہ وہ دونوں ایک قابل رشک اور باکمال کپل ہیں' اسی لئے آج راحیل اسے بازار لے آیا تھا کہ وہ اپنے لئے کوئی جیولری' کوئی بیگ یا کوئی اچھی سی ساڑھی خرید لے' وہ تو آنے کو تیار ہی نہ تھی' لیکن راحیل اسے زبردستی عاشر کی بیوی کے لئے گفٹ لینے کے بہانے لے آیا تھا۔

"راحیل! اب تو ہم نے گفٹ لے لیا ہے ناں؟ اب چلو واپس چلیں۔" روشین نے کہا۔

"چلے چلیں گے سویٹ ہارٹ' پہلے آپ اپنے لئے تو کچھ خرید لو۔"

"میرا موڈ نہیں ہے شاپنگ کا۔" وہ بولی۔

"بہت عجیب بیوی ہو تم... یار... تمہارا شوہر بذات خود اپنے تمام کریڈٹ کارڈز اور اپنا والٹ تمہارے حوالے کر رہا ہے' اور تم کہتی ہو کہ تمہارا موڈ نہیں ہے' تمہاری جگہ کوئی اور بیوی ہوتی تو جھپٹ پڑتی۔" راحیل نے ہلکے پھلکے موڈ میں کہا۔ روشین خاموش ہی رہ گئی' راحیل ایک سلک ساڑھی کی دکان میں آیا' یہ دکان روشین کی پسندیدہ دکان تھی' یہاں سے ملنے والی ساڑھیاں وہ اکثر خریدا کرتی تھی۔

"کیا حال ہیں صاحب جی' بڑے دنوں بعد چکر لگا۔" شاپ کیپر انہیں دیکھتے ہی مسکرا کے بولا۔

"بس یار! ذرا مصروف تھے کہیں' آج تم سے بہت خاص قسم کی ساڑھی لینے آیا ہوں اپنی بیوی کے لئے۔" راحیل نے کہا۔

"کس طرح کی ساڑھی دکھاؤ سر' سلک کی' جارجٹ شفون یا پھر بنارسی۔"

"یار بس بلیک کلر میں کوئی خوبصورت سے کام والی ساڑھی دکھادو۔" راحیل کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ دکاندار نے سیاہ رنگ میں طرح طرح کی ساڑھیاں بکھرادیں۔ سلک' جارجٹ' بنارسی' شفون' ہر طرح کی ساڑھیاں کاؤنٹر پہ جھلملانے لگیں۔

آپ کچھ مشورہ دیں مسز' کون سی والی سلیکٹ کی جائے۔" راحیل نے مشورے کے لئے روشین کی جانب دیکھا' وہ خاموش اور کھوئی کھوئی نگاہوں سے ساڑھیوں کو دیکھ رہی تھی۔

اچھا چلیں' میں خود ہی سلیکٹ کرتا ہوں' یار تم ہی میری مدد کردو۔" راحیل نے دکاندار سے گزارش کی' دکاندار نے" سلور کام سے سجی نہایت نفیس سلک کی ساڑھی اس کے سامنے کی۔

سر یہ لیجئے انڈین جودھ پوری کام سے سجی یہ نہایت نفیس اور خوبصورت ساڑھی ہے' باجی پہ یہ بہت سوٹ کرے" گی۔" دکاندار نے کہا۔

ایسا کرو اس کو پیک کردو' مجھے لگ رہا ہے کہ یہ ساڑھی میری بیوی کے لئے ہی بنی ہے۔" راحیل نے یہ کہہ کے" ساڑھی پیک کروائی اور پے منٹ کردی۔ اس کے بعد وہ اسی مارکیٹ میں بنی ایک اچھی جوتوں کی دکان پہ آیا تھا' اور شوکیس میں سجی جوتیوں میں سے ایک بلیک کلر کی نازک سی ہیل والی سینڈل پسند کی۔

وہ کسی خاموش گڑیا کی طرح اس کے ساتھ تھی' نہ اسے کسی چیز سے روک رہی تھی' اور نہ اس کا ساتھ دے رہی تھی' جب سینڈل راحیل نے پسند کرلی اور سائز کا اطمینان کرلیا تو اس نے جوتی پیک کروالی' اور شوشاپ کے بعد اسی طرح جیولری اور بیگ کی دکان سے بھی نہایت نفیس جیولری سیٹ اور بیگ پسند کیا' اور اسے لیا اور اس کے بعد پھول والے لڑکے سے گجرے خرید کے روشین کو پہنائے۔

"تم یہ سب کیوں کررہے ہو راحیل؟"

گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے راحیل سے پوچھا تھا۔

"کیوں کر رہا ہوں؟ کیا مطلب کیوں کر رہا ہوں؟ تم میری بیوی ہو' میں تمہارا شوہر ہوں' میں ہمیشہ تمہیں خوبصورت ''زندہ دل اور پرُ اعتماد دیکھنا چاہتا ہوں' اس لئے ایسا کر رہا ہوں۔

راحیل نے ڈرائیو کرتے کرتے کہا۔

"لیکن آپ کا یہ رویہ مجھے محسوس کرا رہا ہے کہ جیسے میں کوئی پاگل ہوں' کوئی چھوٹی سی بیمار بچی ہوں' جس کو کھونے کا ڈر اور جس کی بیماری آپ کے دل میں اس کے لئے ہمدردی جگا رہی ہے' مجھے لگ رہا ہے کہ جیسے میرا کوئی ہاتھ یا پاؤں ٹوٹ گیا ہے' اور آپ مجھے احساس دلا رہے ہیں کہ نہیں روشین کچھ نہیں ہوا' تم ٹھیک ہو جاؤ گی' یہ ساڑھیاں' زیور' پھول پہنا کے آپ میرے اس ٹوٹے اعضاء کو چھپانا چاہتے ہیں' مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے؟" اس نے روہانسے لہجے میں کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے روشی' میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں' اتنی کہ مجھے خود نہیں پتہ اور میں تمہیں اس طرح پژمردہ' بجھا بجھا اور ویران ہر گز نہیں دیکھ سکتا' میرے لئے تم متاعِ حیات ہو اور اگر تم اس طرح بجھی بجھی رہیں تو میری پوری زندگی ویران اور تاریک ہو جائے گی' یقین کرو روشی۔" راحیل کے لہجے میں اس قدر محبت تھی کہ وہ آگے ایک لفظ بھی نہ کہہ پائی' پورا راستہ فقط اپنے گجرے کے پھول ہی توڑتی رہی تھی۔

...☆☆☆...

ٹوٹ کر ذرا دیکھو

تم اگر بکھر جاؤ

بے بسی میں گھر جاؤ

دل سے اک صدا دینا

بس مجھے بلا لینا

میں تمہیں سنبھالوں گی

زندگی میں چلنے کا

راستہ بدلنے کا

اک ہنر سکھا دوں گی

تم کو حوصلہ دوں گی

اور جب سنبھل جاؤ

روشنی میں ڈھل جاؤ

مجھ کو یوں صلہ دینا

!... تم مجھے بھلا دینا

آئینے کے سامنے تیار ہوتی روشین بہت گم صم تھی' اس کی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پہ ٹکی تھیں' سیاہ رنگ کی سلک کی ساڑھی میں ہم رنگ جیولری اور موزوں میک اپ میں اس کا اداس حسن ملکوتی لگ رہا تھا' بڑی بڑی سیاہ کاجل سے بھری آنکھوں میں بے پناہ اداسی تھی' وہ کافی دیر کی اسی طرح کھڑی تھی' بے جان دیوی کی طرح گنگ اور ویران' پتہ نہیں کب راحیل اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا' اور اس نے اپنے بازوؤں کا ہالہ اس چاند کے گرد دے ڈالا' وہ لمحہ بھر کو چونکی' لیکن اس کی آنکھوں میں ویسا کوئی احساس نہیں جاگا' جیسا پہلے جاگتا تھا' جب راحیل اس طرح سے اپنی محبت کا اظہار کرتا تھا۔

بہت خوبصورت بیوی ہے میری' چاند کو بھی مات دے دے اس کا روشن چہرہ۔" راحیل کی سرگوشی پہ وہ مسکرا بھی نہ"

سکی' اور ایسی آنکھوں سے راحیل کو دیکھتی رہی' جیسے کہ اسے پہچانتی نہ ہو۔

کیا ہوا روشین؟ اتنے خوبصورت لباس میں یہ اداسی نہیں جچتی' یہ چہرہ اداسی کے لئے نہیں بنا میری جان۔" راحیل نے" پیار سے کہا۔

"مجھے اپنا وجود خالی خالی لگتا ہے راحیل! میں کیا کروں میرا جینے سے جی اوب گیا ہے۔"

وہ ہارے ہوئے کسی کھلاڑی کی طرح پژمردہ لہجے میں بول کے بیڈ پہ بیٹھ گئی' اور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا' راحیل اس کے گھٹنوں کے پاس بیٹھ گیا۔

پلیز روشین! سنبھالو خود کو' جو ہو گیا اسے بھول جاؤ اور پلیز اپنے ارد گرد کی چیزوں سے دل لگانے کی کوشش" کرو' ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا' ابھی بھی موسم ہمارے ہیں' زندگی ہماری ہے' رنگ اور آرزوئیں ہماری ہیں؟" راحیل نے کہا۔

اور ہمارا بچہ؟" روشین نے حیران لہجے میں اس کی جانب دیکھ کر سوال کیا۔"

"کیا تم اسے بھول گئے ہو؟ اتنی جلدی؟"

راحیل کے پاس اس کے سوالوں کا کوئی ایسا جواب نہ تھا' جو اسے مطمئن کر سکے۔

تم اسے بھول سکتے ہو راحیل' مگر میں نہیں' اس نے چار پانچ ماہ تک میری کوکھ میں سانسیں لی تھی' اپنا احساس دلایا" تھا' میں نے اس کے ہاتھوں پاؤں' آنکھوں کی پتلیوں اور مسکراہٹوں کو محسوس کیا تھا' میں نے اسے اپنے رب سے مانگا تھا۔" وہ بلک بلک کے رودی' کئی دنوں کا غبار آنکھوں میں لگے کاجل کے ہمراہ بہنے لگا تھا' راحیل کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے کس طرح بہلائے۔

وہ میرا بھی تو بچہ تھا ناں روشین' اسے میں نے بھی تو مانگا تھا ناں؟" راحیل بے بسی کی انتہا پر تھا۔"

ہاں مگر تم ماں نہیں ہو' تم سو بار زندگی بھی لے لو تو ماں نہیں بن سکتے' تم کسی وجود کو اپنی کوکھ میں زندگی نہیں دے"

سکتے' تمہارے اندر اک ماں کی دھڑکن اور ماں کی نبض نہیں آسکتی' مرد' مرد ہوتا ہے جو خدا تو بن سکتا ہے' مگر ماں نہیں۔" وہ غصے' افسوس اور دکھ کے ملے جلے تاثرات سے کہہ رہی تھی۔

تم دنیا کی پہلی عورت نہیں' جس کا بچہ دنیا میں آنے سے قبل چلا گیا' لیکن کسی نے کبھی اس طرح ری ایکٹ نہیں کیا ہو گا' جس طرح تم کر رہی ہو' یہ پاگل پن تو ہو سکتا ہے لیکن افسوس نہیں۔" راحیل نے غصے میں آ کے کہا۔

میرا صبر اب جواب دے گیا ہے' تھک گیا ہوں تمہیں سنبھالتے سنبھالتے' شادی میں چلنا ہے تو چلو ورنہ میں جا رہا ہوں۔"

راحیل غصے سے کہتا ہوا بیڈ پہ رکھے اپنے کپڑے اٹھاتا' دوسرے کمرے میں چلا گیا' اور وہ پہلے سے ہی دکھوں کی ماری اور رونے لگ گئی' آنسوؤں کی ایسی جھڑی لگی کہ دیر تک کوئی اور احساس دل کو چھو نہ سکا۔

...☆☆☆...

دو روز کے اندر اندر ہی راحلہ نے منگنی کی تیاری کر لی تھی' گھر کا رنگ و روپ بدل گیا تھا' کیٹرنگ والے' ڈیکوریٹرز' ہر طرف سجاوٹ اور تبدیلی لانے کی کوشش کر رہے تھے' ہمہ وقت خاموش رہنے والے گھر میں اک رونق سی مچی ہوئی تھی' ہر طرف شور کی آوازیں تھیں' اٹھاؤ' پکڑو' رکھو کا شور ہر جانب تھا' اور اس ماحول میں کہ جہاں سارے خوش تھے' وہ سب سے زیادہ غمزدہ' دکھی اور پریشان تھی' آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے' اور اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی ممی اس کے ساتھ ایسا کر رہی ہیں۔

مسلسل رو رو کے اس کا اور اس کی آنکھوں کا برا حشر ہو رہا تھا' دو دن سے بھوک ہڑتال پہ تھی' ممی نے ڈریس ڈیزائنر اور بیوٹیشن کو اس کے کمرے میں بھیجا تھا' اور وہ دونوں کچھ ہی دیر بعد اندر سے آ گئی

تھیں' بقول ان کے "بے بی نے ہمیں ڈانٹ کے واپس بھیجا ہے' اور وہ کہہ رہی ہیں کہ انہیں نہ کپڑوں کی فٹنگ دینی ہے' اور نہ میک اپ وغیرہ کروانا ہے۔" راحلہ نے یہ سن کر ایک طویل ٹھنڈی سانس لی' اور خود اس کے کمرے کی طرف جانے لگیں' گو کہ انہوں نے خود سے عہد کیا تھا کہ منگنی ہو جانے تک وہ ماہا سے بات نہیں کریں گی' اور سمجھداری سے کام لیں گی۔ جذبات کی رو میں نہیں بہیں گی' لیکن ماہا کی ضد نے انہیں مجبوراً منگنی سے قبل اس کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔

"کیوں تم فیشل نہیں کروا رہی؟ اور کپڑوں کی فٹنگ نہیں دے رہیں؟" راحلہ نے اپنا لہجہ نارمل رکھا' وہ ماں سے آنکھیں بھی ملانا نہ چاہ رہی تھی' اکلوتی بیٹی نے ماں کا یہ روپ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"میں پہلے بھی بول چکی ہوں ممی! کہ مجھے منگنی نہیں کرنی' پھر یہ فیشل اور کپڑوں کا ڈرامہ کس لئے؟" وہ بولی۔

"ماہا! میں تم سے کوئی بحث کرنا نہیں چاہتی' کل شام تمہاری منگنی ہے' مہمانوں کو دعوت نامے جا چکے ہیں' تمہاری ڈریس کارنگ اور ڈیزائن میں نے سلیکٹ کر لیا ہے' تم صرف اپنی فٹنگ دے دو اور بیوٹیشن کو وقت دو۔" راحلہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ممی! آپ میری وہی ممی ہیں' جو میری معمولی سے معمولی بات بھی مان لیا کرتی تھیں؟
میری آنکھ سے گرنے والے ہر آنسو کو گرنے سے پہلے ہی اپنے ہاتھوں سے صاف کر دیتی تھیں۔"
وہ بولی۔

"اگر بچے کھیلنے کے لئے آگ کے جلتے شعلوں میں ہاتھ ڈالنا چاہیں' تو انہیں روکنا پڑتا ہے' اگر نہیں روکا تو اپنی ہی اولاد کے ہاتھ جل جانے کا خدشہ و خطرہ رہتا ہے' میں تمہاری وہی ماں ہوں' مگر تمہیں تمہاری ہر نادانی کے لئے چھوڑ نہیں سکتی۔" راحلہ کا لہجہ نرم تھا۔

"ممی' میں اس لڑکے کو پسند نہیں کرتی' جسے آپ میرا ہمسفر بنانا چاہتی ہیں' یہ میرے لئے بہت مشکل ہو گا۔" وہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔

"تم اس لڑکے کو ناپسند کرتی ہو یا پھر اپنے پروفیسر کو پسند کرتی ہو؟ جس کی وجہ سے تمہیں میری چوائس ناگوار گزر رہی ہے؟" راحلہ نے پوچھا۔

"ممی یہاں یہ سوال ہرگز نہیں اٹھتا کہ میں پروفیسر ذوالفقار کو پسند کرتی ہوں کہ نہیں' سوال یہ ہے کہ مجھے وہ لڑکا ہرگز اپنے Life partner کے لئے موزوں نہیں لگتا' جو آپ کی چوائس ہے۔"

"اگر میں تمہاری منگنی ساحر سے نہ کروں' تو کیا تم اپنے پروفیسر سے شادی کی ضد چھوڑ دو گی؟" راحلہ کی بات پہ ماہا مسلسل نفی میں گردن ہلانے لگی۔

"میں ان کے علاوہ اور کسی سے بھی شادی کا سوچ نہیں سکتی۔" وہ الجھی۔

"تو پھر ٹھیک ہے رہو اپنی ضد کے ساتھ' میں اپنا فیصلہ نہیں بدلنے والی' تمہاری نادانی اور جذباتی فیصلوں کے لئے میں اپنے عزت و ناموس پہ حرف نہیں آنے دے سکتی' میں نے باسط بھائی کے بیٹے کو سوچ سمجھ کے تمہارے لئے پسند کیا ہے' اور یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔" راحلہ نے حتمی طور پر کہا اور اپنی جگہ سے اٹھیں۔

"میں بیوٹیشن کو اندر بھیج رہی ہوں' ماہا اگر تم نے کوئی ضد کی تو آج سے میرا اور تمہارا رشتہ ختم' بالکل ختم۔" راحلہ نے سختی سے کہا اور کمرہ چھوڑ کر چلی گئیں' اور آنسو بہاتی بے بس ماہا کے لئے ماں کی بات ماننے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا' اور جس کے لئے وہ یہ محبت کی جنگ لڑ رہی تھی' اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا۔

...☆☆☆...

اور پھر فقط کچھ ہی گھنٹوں بعد وہ اپنا ارادہ بنا چکی تھی کہ وہ اس یکطرفہ محبت کی آگ میں نہیں جھلسے گی' اور کم از کم اسے

ضرور بتادے گی' جس کی محبت لہو بن کے اس کی رگ رگ میں دوڑ رہی ہے' ان دو گھنٹوں میں جب وہ ایک بیوٹیشن کے آگے بیٹھی رہی' وہ فقط اپنے آپ میں ہی کھوئی ہوئی تھی' اور پھر اپنا ارادہ اور حوصلہ مضبوط کر کے وہ اٹھی' دراز سے اپنی والدہ کی گاڑی کی چابی نکالی' اور لاؤنج سے ہوتی ہوئی سیڑھیاں اترنے لگی۔

''کہاں جا رہی ہو ماہا؟'' راحلہ اس کے پیچھے آنے لگیں' ان کا بد ترین خدشہ سچائی کا روپ دھار رہا تھا' ان کی بیٹی سرکشی اور بغاوت پہ آمادہ ہو گئی تھی۔

وہ تیز رفتاری سے اپنی والدہ کے کہے کی سنی ان سنی کرتے ہوئے نیچے اتری' اور پورچ میں کھڑی گاڑی میں بیٹھ گئی' چوکیدار اس طرح سے بوکھلا گیا' ماہا کبھی ڈرائیور یا اپنی والدہ کے علاوہ نہیں نکلی' اگر خود بھی گاڑی لے جاتی تو راحلہ ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتی۔

''گیٹ کھولو' ورنہ میں گیٹ توڑ دوں گی۔''

وہ جذباتی لہجے میں بولی' چوکیدار نے بوکھلا کے گیٹ کھول دیا اور ماہا زن سے گاڑی نکال کر لے گئی' راستہ بھر اس کی دھندلاتی آنکھیں اپنے آوارہ مزاج عشق کا بوجھ اٹھائے تڑپ رہی تھیں۔

چھلک رہی تھیں' نجانے اس نے کس طرح پل صراط کا یہ سفر طے کیا' نجانے کس طرح اس نے ذلفی کے گھر کی طرف جاتے راستے کا اندازہ لگایا' وہ جو بھی قوت تھی' وہ اس جنونی' ہیجانی قوت کے زیر اثر بالآخر ذلفی کے گھر پہنچ گئی۔

ذلفی کے گیٹ کے باہر گاڑی روک کے وہ اسی ہیجانی کیفیت کے زیر اثر اتری اور گھر کے اندر آئی۔

وہ اس طرح اندر داخل ہوئی' جیسے یہ گھر اس کا اپنا ہو' اس کا ذاتی۔ وہ حدود و آداب کے سب فرمان بھلا کر آج اپنے وجدانی عشق کے پیچھے ننگے پاؤں دوڑ رہی تھی' آج وہ تپتے صحرا میں ننگے پاؤں دوڑ لگاتی سسی تھی۔

آج وہ عین عشق تھی۔ آج وہ صحرا بھی' تو بارش بھی تھی' پیاسی بھی تھی' تو سیراب بھی تھی' شعلہ بھی تھی' تو آب بھی تھی' ساحل بھی تھی' گرداب بھی تھی' آج وہ نہیں کچھ اور تھی۔

اس نے اسی جنون اور جذباتیت کے ساتھ ہر طرح کا ہمت و حوصلہ مجتمع کر کے ذوالفقار کے کمرے کا دروازہ کھولا۔

''سر!'' اس کی سرخ آنکھیں' دھڑکتا دل اور آوارہ مزاج عشق اسے مسلسل بلا رہے تھے۔

اپنے کمرے میں راکنگ چیئر پہ آرام سے آکروائلڈ کی کتاب پڑھتے ذوالفقار کی حیرت کے لئے ماہا کی آمد کافی تھی' وہ کرسی سے اٹھ کے کھڑے ہو گئے' اور ماہا کی یہ حالت دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔

''ماہا... تم... یہاں؟'' وہ بولے۔

ماہا ہانپتی کانپتی ان کے کمرے کے اندر آ گئی' اور عین ان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

''سر میری ماں زبردستی میری منگنی کر رہی ہیں' اور میں منگنی نہیں کرنا چاہتی' پلیز میری مدد کریں۔'' آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ بہہ رہے تھے۔

''لیکن... لیکن کیوں؟ اور اس میں میرا کیا رول ہے؟ میں کیا مدد کر سکتا ہوں تمہاری۔'' وہ حقیقتاً پزل ہی تو ہو گئے تھے۔

''آپ ہی تو کر سکتے ہیں سب کچھ سر۔'' وہ بولی۔

''لیکن میں کیا کر سکتا ہوں؟'' وہ ہڑبڑائے۔

''آپ مجھ سے شادی کر سکتے ہیں' میں آپ سے محبت کرتی ہوں' بہت. بہت بہت شدید محبت۔'' وہ طوفانی لہجے میں بولی اور ذوالفقار کے سر پر ایک ہتھوڑا ہی تو پڑا تھا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو تم؟ دماغ تو نہیں چل گیا تمہارا؟'' وہ اپنا آپ سنبھال کے بولے۔

''میں آپ سے. بہت. بہت. بہت محبت کرتی ہوں! مر جاؤں گی' میں آپ کے بنا نہیں رہ سکتی' مجھے اپنا لیجئے' خدا کے لئے

مجھے اپنا لیجیئے۔" اس نے پہلے ڈاکٹر صاحب کا گریبان پکڑا' اور پھر روتے روتے اس کے قدموں میں گر گئی' اور اس کے گھٹنے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر دیر تک روتی رہی۔

"یہ کیسے ممکن ہے ماہا؟ نہیں یہ ممکن نہیں' تم اپنے گھر جاؤ اور اپنے فیصلے پہ غور کرو۔" وہ اس سے اپنا آپ چھڑا کے دور ہوئے۔

"کیا ممکن نہیں ہے سر؟ کیا آپ مجھ سے شادی نہیں کر سکتے؟" وہ حیرانی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"نہیں میں کسی سے شادی نہیں کر سکتا' تم اپنے اس پاگل پن میں بھول گئی ہو کہ میں ایک جوان بیٹے کا باپ ہوں۔"

"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' میں آپ کو آپ کے بیٹے سے ہر گز دور نہیں کروں گی' بلکہ آپ کے گھر میں آپ کا حصہ بن کے آؤں گی۔" وہ رو رو کے التجا کر رہی تھی۔

"تم خود اپنے گھر جا رہی ہو یا میں تمہاری والدہ کو فون کر کے بلاؤں؟" وہ حتمی طور پر بولے' بہت بے حسی اور کرختگی سے اور ان کے لہجے کی یہ کرختگی ماہا کے لئے حیرت سے زیادہ صدمے کا باعث تھی' اسے ہر گز توقع نہیں تھی کہ وہ اس طرح ٹھکرائی جائے گی' وہ سسی کی طرف تھل میں سسک سسک کے مری تھی' اور اس کا کچا گھڑا پار لگنے سے قبل ہی ڈوب گیا تھا وہ خالی دامن لے کے دوبارہ اپنے گھر واپس آ گئی تھی۔

...☆☆☆...

عادل کو فاطمہ اور بچوں کو اپنے گھر شفٹ کرنا پڑا تھا' کیونکہ جس گھر میں وہ پہلے رہ رہے تھے' وہ عدنان کو اس کی کمپنی کی طرف سے ملا تھا' جو انہیں تین ماہ کے اندر اندر خالی کرنا تھا' اور عدت گزرتے ہی فاطمہ نے خواہش ظاہر کی کہ وہ یہ گھر چھوڑنا چاہتی ہے' اور اس سے قبل کہ کمپنی اسے جانے کا نوٹس دے دے' وہ خود اپنا کوئی اور انتظام کرنا چاہتی ہے' اور اس نے عادل کی یہ بات اس شرط پہ مانی تھی' کہ وہ اس کے اوپر کے پورشن کے دو کمرے بطور Paying

Guestاستعمال کر سکتی ہے ورنہ نہیں' اور عادل نے اس کی یہ شرط مان لی تھی' اور بطور کرائے دار عادل کے گھر کے اوپر والے پورشن میں شفٹ ہو گئی تھی' ساتھ ہی ایک پرائیویٹ اسکول میں عارضی طور پہ نوکری بھی کر لی تھی' دونوں بچوں کو ساتھ لے کر وہ صبح اسکول جاتی تھی' اور دوپہر کو واپس آتی تھی۔

زندگی اچانک سے کتنا بدل گئی تھی؟ جو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا' وہ ہو رہا تھا' تنہائی اور بے سہارا پن تو شاید اتنا شدید نہیں چبھتا تھا' جتنا کہ لوگوں کے سوال' ان کے رویے' ان کے لہجے' رشتہ دار' محلے دار' دوست' کولیگ' جو ملتا فقط ایک ہی بات کرتا' دوسری شادی' دوسری شادی' دوسری شادی' فاطمہ کے لئے تو آج کل "دوسری شادی" لفظ کے علاوہ اور کوئی دھمکی اور کوئی خدشہ اور کوئی گالی نہیں تھی' وہ اس لفظ سے کسی چھلاوے یا بھوت کی طرح خوفزدہ ہو گئی تھی' عادل کی پھوپھو آج جانے والی تھیں' اور شام کو وہ فاطمہ سے ملنے اوپر آئی تھیں۔

"آپ اتنی جلدی کیوں جا رہی ہیں پھوپھو' بہت رونق لگی رہتی ہے' بڑوں کے دم سے۔"

فاطمہ نے کہا۔

"کیا کروں بیٹا؟ اپنا گھر بار اور بچے چھوڑ کے بیٹھ تو نہیں سکتی ہوں ناں' یہاں دو سال سے عادل کی منتیں کر رہی ہوں کہ شادی کر لو' شادی کر لو' مگر اس پر سارے حربے بے اثر' خیر اب تو تم کھانے پینے اور دیگر چیزوں کا خیال رکھ ہی لو گی' لیکن آخر تم بھی کب تک رہو گی۔" پھوپھو اپنی روانی میں کہہ گئیں۔

"جب تک کسی اور گھر کا بندوبست نہیں ہو جاتا پھوپھو' تب تک تو میں یہیں ہوں' اور انشاء اللہ عادل بھی شادی کر ہی لے گا۔" وہ بولی۔

"میں تو کہتی ہوں بیٹا شادی کر لو' بچے ابھی چھوٹے ہیں' نیا باپ اپنا مان لیں گے' ذرا بڑے ہوئے تو وہ امید بھی نہیں

رہے گی۔" پھو پھو نے بھی وہی کہانی کہنی شروع کر دی۔

"میں شادی نہیں کرنا چاہتی پھو پھو' میرے لئے میرے بچے اور ان کے لئے میں بہت ہیں' کافی ہیں' عمر بھر کے لئے۔" وہ بولی۔

"مرد کے سہارے کے بغیر عورت کچھ نہیں ہوتی' بھائی' باپ' شوہر کسی کا بازو تو چاہیے ہوتا ہے ناں۔" پھو پھو نے کہا۔

"میرا بیٹا اذین ہے ناں؟ آج آٹھ برس کا ہے' کل اٹھارہ اور پرسوں اٹھائیس کا ہو جائے گا' وہ میرا سہارا اور ساتھی ہے' وہ میرا اور اپنی بہن کا وارث بنے گا۔" فاطمہ کے لہجے میں فخر اور امید چھپی تھی۔

"مرضی ہے تمہاری بیٹا لیکن عادل بھی تو تمہیں زیادہ دن نہیں رکھ سکتا ناں' آخر کو وہ اکیلا ہے' کنوارہ ہے اور گھر میں اور کوئی نہیں۔" پھو پھو کی بات نے اک نیا رخ اختیار کر لیا تھا۔

"پھو پھو جی۔" عادل یہ بات سنتے ہوئے اندر آ گیا تھا' فاطمہ اور پھو پھو اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"یہ گھر فاطمہ کا اتنا ہی ہے جتنا کہ میرا ہے' بلکہ عدنان کی بیوہ اور حرا اذین کی ماں ہونے کے ناتے وہ زیادہ حق رکھتی ہے' اور یہ گھر چھوڑ جانے کو اسے کوئی نہیں کہہ سکتا۔" عادل کے لہجے میں یقین تھا' مان تھا۔

"لیکن بیٹا لوگ کیا کہیں گے۔" پھو پھو کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

"عدنان کی لاش کو کندھا دینے' اس کے بچوں کو کھلانے' اس کی بیوہ کے آنسو پونچھنے لوگ آئے تھے؟ لوگ تو فقط تماشائی ہوتے ہیں' اور تماشا ہی دیکھتے ہیں اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتے ہیں؟ آپ لوگوں کا خوف نہ دیا کریں۔" عادل نے سختی سے کہا۔

پھپھو خاموشی سے اٹھ کر چلی گئیں' فاطمہ خاموش آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

...☆☆☆...

"ناشتہ کیے بغیر مت جاؤ' پورا دن کس طرح گزار دو گی؟" دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی عادل کی آواز نے اس کے قدم روک دیئے۔

"میں وہیں اسکول میں کچھ کھا لوں گی' تم فکر مت کرو۔" اس نے یونہی کہہ دیا اور یہ عادل اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اسکول جا کے بھی کچھ نہیں کھائے گی' اس کی کملائی رنگت' دن بدن گرتی صحت اور کمزور پڑتا جسم اس کی چغلی کھاتا تھا کہ وہ اپنے کھانے پینے پر بالکل دھیان نہیں دے رہی۔

"فاطمہ ٹیبل پہ آؤ' میں تمہیں ناشتہ کیے بغیر نہیں جانے دوں گا' کم از کم دودھ کا ایک گلاس تو پینا ہی پڑے گا۔" اس کے لہجے میں اپنائیت اور محبت کے ساتھ اک دوستانہ خفگی بھی تھی۔

وہ واپس پلٹ کے ٹیبل تک آئی' جانتی تھی کہ عادل اسے اس طرح جانے نہیں دے گا' عادل نے دودھ فریج سے نکالا اور کچن میں جانے لگا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے عادل ٹھنڈا دودھ ہی دے دو۔" وہ بولی۔

عادل نے دودھ گلاس میں ڈالا اور اس کی طرف بڑھایا' دودھ کا گلاس فاطمہ نے اس طرح اپنے اندر انڈیلا جیسے کہ کوئی دوا ہو۔

"میرا اتنا خیال مت رکھا کرو عادل' خدا کے لئے مجھے اس کا عادی مت بناؤ۔" فاطمہ کی آنکھیں ٹیبل کے کپڑے میں گڑی تھیں۔

"کیوں؟ کیوں نہ رکھوں خیال؟ کچھ نہیں لگتیں تم میری؟ کوئی رشتہ نہیں ہے تمہارا مجھ سے؟" وہ اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"رشتوں کی اہمیت ہی کیا ہوتی ہے عادل؟ کبھی لوگ خود اسے توڑ دیتے ہیں اور کبھی وقت ہم سے چھین لیتا ہے' بہتر یہی ہے کہ رشتوں کے اس گورکھ دھندے میں نہ ہی پڑا جائے' جو جیسے جی رہا ہے اسے جینے دیا جائے۔" فاطمہ کے لہجے میں ان دیکھی اداسی تھی۔

"یہ تمہارا فلسفہ ہوسکتا ہے' میرا اور میرے خیالات کا اس سے کوئی تعلق نہیں' میرے لئے رشتے زندگی میں اہم ہوتے ہیں' اور مرنے کے بعد بھی اور ان کی اہمیت کو دنیا کی کوئی چیز کم نہیں کرسکتی۔" عادل نے کہا۔ وہ اٹھی اور اپنا بیگ سنبھالنے لگی۔

"دوپہر کا کھانا میں لیتا آؤں گا آفس سے' تم مت بنانا اور دوپہر کو بچوں کے ساتھ آرام کرنا' پھوپھو بتا رہی تھیں کہ تم سلائی سینٹر جوائن کررہی ہو' لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ تمہیں دوپہر میں آرام کی ضرورت ہے' اور وہ میں تمہیں ہرگز کمپرومائز نہیں کرنے دوں گا۔" عادل بولا تھا اور وہ بنا کچھ کہے وہاں سے چلی آئی تھی' بولتی بھی تو کیا۔ عادل کے پاس اسے مطمئن کرنے کے لئے سو طرح کے دلائل تھے۔

...☆☆☆...

"آج ہم لنچ کہیں باہر کریں گے۔" کام کے دوران ہی شانزے نے کہا تھا۔

"نہیں شانزے آج مجھے جلدی گھر جانا ہے' اور وہیں لنچ کرنا ہے' فاطمہ کو میں نے جلدی آنے کا کہا ہے۔' عادل نے بے اختیار ہی یہ جملہ ادا کیا تھا' جو شانزے کو سلگا کے رکھ گیا تھا۔

"ترس کھا کے' ہمدردی کے جذبے کے تحت گھر میں رکھنا تو ٹھیک تھا' لیکن اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ تم اس کے لئے مجھ نظر انداز کرو؟" شانزے نے کڑھتے ہوئے جواب دیا۔

عادل نے لمحہ بھر شانزے کے چہرے کو خاموشی سے دیکھا' جو کہ بہت انجانا اور بہت پرایا محسوس ہو رہا تھا۔

"میں نے اس پر ترس نہیں کھایا شانزے' وہ میرے جگری دوست کی بیوہ ہے' وہ دو معصوم بچوں کی ماں ہے" عادل نے اطمینان سے کہا۔

"تمہارے جگری دوست کے کئی رشتہ دار ہیں اور اس کی بیوہ کے بھی' پھر یہ ذمہ داری صرف تمہارے اوپر کیوں آن پڑی ہے؟"

شانزے کے لہجے میں طنز کی اک کاٹ تھی۔

"میرا خیال ہے کہ تم یہ اعتراض کرنے والی کوئی نہیں ہوتیں' وہ میرے لئے قابل تعظیم ہے' اس عورت سے میرا بہت اٹوٹ رشتہ ہے۔" وہ بولا۔

"جب دوست ہی نہیں رہا تو پھر کیسا رشتہ کیسی تعظیم؟ کوئی کسی کو یوں بنا کسی جائز رشتے کے اپنے گھر نہیں بٹھاتا' آخر لگتے کیا ہو تم اس کے اور وہ تمہاری؟" شانزے چلانے لگی تھی۔

"سب کچھ۔" وہ لاشعوری طور پہ بولا تھا۔

"میرے لئے وہ پوری دنیا' پوری کائنات ہے۔" نجانے کون سا رشتہ اس کے اندر سے سینہ تان کے اٹھا تھا' شانزے حیرت اور شاک کی کیفیت میں اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

عادل پھر رکا نہیں' اٹھا اور شانزے کے آفس سے تیزی میں نکلا چلا گیا۔

...☆☆☆...

کھانا باہر سے پیک کرا کے وہ گھر پہنچا تھا' کچھ ہی دیر میں فاطمہ اپنے اسکول سے بچوں سمیت آ گئی تھی' اور آج بہت دنوں بعد اس نے اطمینان سے بچوں کے ساتھ کھانا کھایا تھا' کھانے کے بعد عادل نے چائے بنائی اور فاطمہ کا مگ اسے پکڑا دیا۔

"بچے سو گئے ؟"

"ہاں بہت تھک گئے تھے' کھانا کھاتے ہی نیند آ گئی ان کو۔" فاطمہ نے مطمئن لہجے میں کہا۔

"تم نے دفتر نہیں جانا؟" فاطمہ نے پوچھا۔

"نہیں دل نہیں کر رہا۔" وہ بولا۔

"کیوں؟ پہلے تو کبھی تم نے دفتر سے بے وجہ چھٹی نہیں کی۔" فاطمہ نے کہا۔

"بس دل نہیں کر رہا' کچھ ڈسٹرب سا ہوں۔" وہ مختصراً بولا۔

"شانزے سے لڑائی ہوئی ہے ؟" بہت دنوں بعد فاطمہ کا لہجہ اک دوست کا لہجہ تھا' جسے محسوس کرتے ہی عادل پگھل سا گیا۔

"نجانے کیا سمجھتی ہے خود کو' نوکر بنا کے رکھنا چاہتی ہے اپنا' میں اس کی غلامی نہیں کرنا چاہتا' اپنا شعور' اپنی سوچ اپنی مرضی رکھتا ہوں۔" وہ غصے میں بولا' فاطمہ اس کا یہ روپ دیکھ کر خوفزدہ سی ہو گئی' اور سمجھ گئی

کہ کچھ گڑبڑ ہے' وہ عادل کے بہت پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

"کیا ہوا ہے عادل؟ خیریت تو ہے ؟" وہ ابھی اور بھی کچھ پوچھنے ہی والی تھی کہ شانزے اسی لمحے لاؤنج میں داخل ہوئی۔' فاطمہ اور عادل کو اتنا قریب دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ سلگ گئی۔

"پہلے تو صرف شک تھا مجھے' آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔" شانزے نے نفرت انگیز لہجے میں کہا۔ عادل نے منہ دوسری طرف پھیر لیا' فاطمہ حیران رہ گئی۔

"ارے شانزے کیسی ہو؟ آؤ بیٹھو۔" فاطمہ نے نا سمجھنے والے انداز سے کہا۔

"شٹ اپ تمہیں ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے' اور یہ بیوگی کی سفید چادر اتار دو اور کھول دو دنیا کے سامنے اپنا یہ

چالباز روپ۔" شانزے نے شعلہ بار انداز میں کہا۔ فاطمہ حیران تھی' اس کی باتیں سن کر۔

"ایک لفظ بھی اور کہاناں تم نے شانزے' تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" عادل سے رہا نہیں گیا۔

"دوستی کی آڑ میں عشق کرتے ہوناں اس سے؟ اور یہ میاں کو مرے دس دن بھی نہیں ہوئے کہ بچے اٹھا کے یہاں آ گئی' اپنے محبوب کی جدائی برداشت نہیں ہو رہی تھی ناں۔" شانزے نے آ کے فاطمہ کو بازو سے پکڑا' عادل نے شانزے کو پکڑ کے اس کے منہ پہ اک زوردار طمانچہ مارا' جس نے دبلی پتلی سی شانزے کو ہلا کے رکھ دیا۔

"نکل جاؤ میرے گھر سے اور دوبارہ کبھی قدم نہ رکھنا۔" عادل نے ہاتھ سے اشارہ کیا' وہ گال پہ ہاتھ رکھے حیران و پریشان سی کھڑی تھی۔

"تم نے بہت غلط کیا ہے' میرے منہ پہ یہ طمانچہ مار کے' میرے ساتھ نہیں اپنے ساتھ' میں تمہیں برباد کر دوں گی۔" وہ غصے میں بولی۔

"گیٹ یو لاسٹ اور اگر نہیں گئیں تو میں دھکے دے کر نکالوں گا۔" فاطمہ رو کتی رہ گئی' مگر عادل نے سختی سے کہا اور شانزے نہایت غصے کے عالم میں تیزی سے اس کے گھر سے نکل گئی اور شاید اس کی زندگی سے بھی۔

...☆☆☆...

"کہاں جا رہی ہو تم فاطمہ؟" اس نے آدھے گھنٹے بعد فاطمہ کے کمرے کا دروازہ کھولا' تو وہ اپنا اور بچوں کا سامان پیک کر رہی تھی' دونوں بچے بدستور سو رہے تھے۔

"میں یہ گھر چھوڑ کے جا رہی ہوں عادل۔"

وہ بولی۔

"وجہ پوچھ سکتا ہوں؟" وہ غم و غصے سے بری طرح کھول رہا تھا۔

"تمہارا اور میرا کوئی رشتہ نہیں ہے عادل اور جو تھا' وہ عدنان کی موت کے وقت ہی ختم ہو گیا۔" وہ سفاک لہجے میں بولی۔

"اس رشتے کو کیا نام دوگی فاطمہ جو میرا تم سے ہے اور تمہارے بچوں سے۔" وہ بولا۔

"یہ کوئی ایک آدھ مہینے پرانا رشتہ نہیں ہے فاطمہ' بارہ طویل سالوں کی محبت اور دوستی ہے۔"

"اس دوستی کو اس اپنائیت اور تقدس کے اس رشتے کو کس نظریے سے دیکھا جائے گا' معاشرے میں تمہیں پتہ ہے؟ کل تمہاری پھوپھو نے کہا' آج شانزے اور پرسوں پوری دنیا کہے گی کہ یہ رشتہ جائز نہیں۔"

"نہیں ہے مجھے پرواز مانے کی' مجھے صرف تمہاری پرواہ ہے' اذین کی اور حرا کی پرواہ ہے' مجھے میرے شہید دوست کی پرواہ ہے' مجھے اس زمانے کی پروا نہیں ہے۔" وہ شدت جذبات سے بولا۔

"تم زمانے کی پرواہ بے شک مت کرو' اپنے اور شانزے کے رشتے کی پرواہ کرو' میں تمہیں اس سے دور کرنا نہیں چاہتی۔" فاطمہ نے نرمی سے کہا۔

"اور میں اس لڑکی کے قریب نہیں جانا چاہتا' نہ اس سے کوئی رشتہ رکھنا چاہتا ہوں۔" وہ بولا۔

"جذباتی فیصلے مت کرو عادل' تمہیں اس لڑکی سے محبت ہے۔" فاطمہ نے گویا اسے یاد دلایا۔

"نہیں ہے مجھے اس سے محبت فاطمہ' نہیں کر سکتا میں ایسی خود غرض لڑکی سے محبت اور نہ کرنا چاہتا ہوں۔" وہ بہت یقین کے ساتھ بولا۔

فاطمہ خاموشی سے اپنا سامان پیک کر کے آگے بڑھی اور دونوں بچوں کو جگایا۔

"اٹھو حرا... اٹھو اذین' چلو ہمیں چلنا ہے۔" وہ بولی۔

"کہاں جاؤ گی تم؟ کون ہے تمہارا؟"

عادل نے سوال کیا۔

بہت بڑی دنیا ہے' عادل کہیں بھی چلی جاؤں گی' کسی سڑک کے فٹ پاتھ کے کنارے زندگی گزار لوں گی' لیکن" تمہاری زندگی سے بہت دور چلی جاؤں گی۔" وہ حرا کو اٹھا کے بولی' ننھی حرا اس کے کندھے پہ جھول گئی۔

میری زندگی سے تم دور نہیں جا سکتیں' اور نہ ان بچوں کو لے جا سکتی ہو۔"عادل نے زبردستی حرا کو اس کے کندھے" سے اتارا۔

کس رشتے کے تحت مجھے اس گھر میں رکھو گے؟ کس رشتے کے تحت۔" وہ روتے اور چلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔"

اپنی بیوی کی حیثیت سے' نکاح کروں گا میں تم سے' اپنا نام دوں گا ان بچوں کو۔" وہ اس سے بھی تیز لہجے میں بولا اور" پھر تیز رفتاری سے گھر سے نکل گیا' اور جب دو گھنٹے بعد وہ گھر واپس آیا تو فاطمہ گھر میں نہیں تھی' وہ جا چکی تھی' نجانے کہاں اور نجانے کس طرح؟

...☆☆☆...

ملٹی شیڈ کے عروسی لباس میں ماہا بہت خوبصورت لگ رہی تھی' پروفیشنل میک اپ اور ڈریس ڈیزائنر کی محنت نے ماہا پر حسن کے گویا پھول کھلا دیئے تھے' اس کا کچی عمر کا کومل حسن اک دلفریب مستی اور کشش اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔

فوٹو گرافر نے دل کھول کے اس کے اسٹلز لئے' راحلہ آج بہت خوش تھیں' ان کی برسوں کی تمنا پوری ہو رہی تھی' ان کے خوابوں کے عین مطابق اس کی بیٹی کو لڑکا ملا تھا' اور گھر بھی ایسا' جیسا انہوں نے چاہا تھا۔

ماہا خود کو آج بے جان اور بے روح محسوس کر رہی تھی' سفید رنگ کی بے داغ اور بھولی بھالی گڑیا' جسے اس کے کھیلنے والے نے بے حد بے طرح سجایا ہو' اعلیٰ لباس پہنایا ہو' لیکن اس کی تقدیر فقط طاق پہ سجنا اور بے مول ہونا ہی ہے'

اور کچھ نہیں اس کے اندر اک طوفان تھا' احساسات میں اک شور برپا کر رہی تھی' ٹھکرائے جانے کا احساس اس کے اوپر غالب تھا۔

آپ نے مجھے چھوڑ کے' میری محبت کو ٹھکرا کے اچھا نہیں کیا ذلفی' میں نے تو آپ کی چاہت میں زمانہ چھوڑ دیا تھا' " اور آپ نے کیا کیا؟ اتنی آسانی سے کہہ ڈالا کہ جاؤ اور اسی سے شادی کر لو جس کو چاہتی ہو' کیا میرے لئے یہ شادی کرنا اتنا آسان ہے ذلفی؟" وہ خود کلامی اور خود اذیتی میں گھری ہوئی تھی۔

اور پھر راحلہ بہت فخر سے اسٹیج پہ لے گئی' اور ساحر گردیزی کے پہلو میں بٹھا دیا' ڈارک بلیو ٹو پیس میں ملبوس تھا' اور بہت خوش تھا' جب ماہا کا مجسمہ اس کے پہلو میں بیٹھا تو ساحر نے اس کے کان میں ایک معنی خیز سرگوشی کی' لیکن اس پتھر کی دیوی میں کوئی احساس نہیں چھوٹا' راحلہ نے اپنے ہی گھر کے کشادہ لان میں اس چھوٹی سی انگیجمنٹ پارٹی کا انعقاد کیا تھا' ایونٹ آرگنائزر کے ماہر فنکار ذہن نے لان کے اس گوشے کو بہت منفرد اور خوبصورت بنا ڈالا تھا۔

تمام دیکھنے والے اس کم عمر خوبصورت جوڑی کو رشک کی نگاہوں سے دیکھ اور سراہ رہے تھے۔

اور پھر اک خاموش لمحے میں ساحر نے ماہا کے بے جان ہاتھ میں اک رشتہ ڈال دیا' اور اس کو جگمگانے کے لئے چھوڑ دیا' اور پھر دو گھنٹے کے اس مزید ار ملے گلے سے بھرپور فنکشن کے بعد ماہا کو اس کی کزنز لڑکیاں اوپر اس کے کمرے میں لے آئیں' راحلہ اس وقت مہمانوں کو رخصت کرنے میں مصروف تھی۔

ماہا اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے بیٹھی انگلی میں چمکتی ہیرے کی انگوٹھی کو دیکھ رہی تھی' جو اسے کسی اژدھے کا روپ لگ رہی تھی۔

آپ نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ ذوالفقار' آپ نے بہت غلط کیا ہے' اور آپ ضرور پچھتائیں گے۔" ماہا کی آنکھ " سے ایک آنسو پھسل کے گرا تھا' اور ماہا نے اپنے پرس سے گولیوں کا وہ پیکٹ نکالا' جو اس نے ذلفی کے گھر سے

واپسی پر میڈیکل اسٹور والے کو دو گنے پیسے دے کر خریدا تھا' ماہا نے تمام کی تمام گولیاں اپنی ہتھیلی پہ رکھیں اور پھر انہیں نگل لیا۔

…☆☆☆…

"میں آج بہت خوش ہوں ماہا' آج میرے دلی تمنا پوری ہوئی ہے۔"

راحلہ نے کمرے کے اندر داخل ہو کے پہلا جملہ یہی کہا تھا' ماہا بستر پہ دوسری طرف چہرے کیے لیٹی تھی' ابھی تک عروسی لباس میں ملبوس تھی۔

تمہیں کیسے بتاؤں کہ آج تم کتنی پیاری لگ رہی تھیں' میری سہیلیوں میں میری بیٹی کے حسن کی دھوم مچ گئی' انیلا خواجہ ولی کہ آج تم کوہ قاف سے اتری کوئی پری لگ رہی ہو' اور نیلو فر کی تو ساری اکڑ ہی ختم ہو گئی' بڑے قصیدے گاتی تھی اپنی بیٹی کے حسن کے' تمہارے مقابلے میں تو اس کی بیٹی کچھ نہیں۔" راحلہ وہ تمام تحائف ماہا کی ٹیبل کے پاس رکھتی جا رہی تھی' جو منگنی میں اسے ملے۔

تمہارے فوٹوز دیکھنے کے لئے میں بیقرار ہوں' اپنے تمام رشتہ داروں اور دوستوں کو ای میل کروں گی' جل جائیں گے سارے لوگ' میری ڈاکٹر بیٹی کو دیکھ کے۔" راحلہ بیڈ کے پاس آئی۔

"کیا ہوا ماہا' ڈریس تو چینج کر لو' تھک گئی ہو کیا میری جان۔"

راحلہ نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا' ماہا کی جانب سے کوئی جواب نہیں آیا' راحلہ کو تشویش ہوئی۔

"ماہا... ماہا بیٹا اٹھو۔"

راحلہ نے ماہا کو بازو سے پکڑ کے اپنی طرف کیا۔

ماہا کے منہ سے جھاگ بہہ کے بستر پہ پھیل گیا' زہر کی بوتل اس کے ہاتھ میں تھی۔

"Oh my God"

راحلہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں' اور پھر فوری طور پر انہوں نے راحلہ کو ہاسپٹل لے جانے کے لئے گاڑی نکلوائی۔

...☆☆☆...

یہ آئی سی یو کے باہر کا منظر تھا' اس کی اکلوتی بیٹی شیشے کی دیوار کے اس پار زندگی اور موت کی لکیر کے درمیان جھول رہی تھی' اور وہ بے بسی کی انتہا پر تھی' کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی' تمام رات وہ اپنے پروردگار کے سامنے روتی اور گڑ گڑاتی رہی' ٹھیک اسی طرح جس طرح ماہا کی پیدائش سے قبل اللہ کے حضور اولاد کے لئے گڑ گڑاتی تھیں' کون سی ایسی درگاہ تھی' جہاں وہ ننگے پاؤں چل کے نہ گئی ہو کون سا ایسا پیر فقیر تھا' جس سے دعا کی التماس نہ کیا ہو؟ اور کون سے ایسے فرض نفل اور سنتیں تھیں' جو راحلہ نے قضا کیے ہوں' اور ان تمام سجدوں کا پھل اس ماہا کی ولادت کی صورت میں ملا تھا۔

ماہا جو اس کی اکلوتی اولاد تھی اور آج فقط ایک عام سی ضد کے باعث اس کی اکلوتی اولاد اپنی جان لینے کی کوشش کر چکی تھی' اس جان کی اہمیت ماہا کو بے شک نہ ہو' لیکن اس کی ماں کو ضرور تھی' کیونکہ اس کی ماں نے رو رو کے گڑ گڑا کے یہ بھیک اپنے رب سے مانگی تھی' اور جس دن ماہا نے اپنی ماں کی کوکھ میں پہلی حرکت کی تھی' اسی دن راحلہ حقیقی طور پر زندہ ہوئی تھی۔

اور آج اسی بیٹی نے صرف اپنی خوشی ہی تو مانگی تھی' اور وہ بھی تم اسے دے نہ پائیں' اس نے محبت ہی تو کی تھی کوئی اور غلط قدم تو نہیں اٹھایا تھا ناں کوئی اور نامناسب چیز تو سرزد نہیں ہوئی تھی ناں اس سے' محبت کوئی جرم تو نہیں جس کی پاداش میں ماہا اپنی قیمتی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی۔

تمام رات راحلہ خود کو کوستی رہی' تڑپتی رہی' اولاد سے بڑی آزمائش سچ میں اور کوئی نہیں' اس کا اندازہ آج صحیح طور پر راحلہ کو ہو گیا تھا۔

صبح صادق کا وقت تھا وہ بدستور جائے نماز بچھائے اپنے رب کے حضور گڑ گڑاتی رہی کہ جب آئی سی یو سے ڈاکٹر باہر آیا تھا۔

"مسز حسن۔"

ڈاکٹر کی آواز پہ گویا راحلہ ہوش میں آئی اور جائے نماز سے اٹھ کے ڈاکٹر کے پاس آئی۔

"ڈاکٹر صاحب میری بچی ٹھیک ہے ناں؟"

میں نے ماہا کا معدہ واش کیا ہے' وہ خطرے سے باہر ہے' لیکن اسے بے حد شدید کیئر کی ضرورت ہے' وہ ذہنی طور پر بہت صدمے کی کیفیت میں ہے' بے ہوشی میں کسی ذلفی صاحب کو پکار رہی ہے' بہتر ہو گا کہ آپ ذلفی صاحب کو بلا لیں' اور ان کا بہت زیادہ خیال رکھیں' اکثر مریض پہلی بار کے بعد دوبارہ پہلے سے زیادہ بھرپور کوشش کرتے ہیں مرنے کی اور ہر بار ناکامی پر ان کی جرأت اور بڑھ جاتی ہے۔" ڈاکٹر یہ کہہ کے چلا گیا۔

راحلہ نے شیشے کی دیوار کے اس پار سے اپنی بے ہوش بیٹی کو دیکھا اور تہیہ کر لیا کہ اگر وہ ذوالفقار سے شادی کرنا چاہتی ہو تو اس کی ماں اس کی راہ میں حائل نہیں ہو گی' وہ اپنی بیٹی کو ضرور اس کی محبت سے ملائے گی۔

...☆☆☆...

مسیحا سوچ لے اب بھی

نگاہِ ناز نے تیری' مجھے پتھر بنا ڈالا

بظاہر دیوتا ہوں میں

مگر ہوں بے نوا اب بھی
تکلم میں نہیں رکھتا
تصرف میں نہیں رکھتا
ابھی تک نامکمل ہوں
میری تکمیل تم سے ہے
مسیحا سوچ لے اب بھی
میرا بے رنگ سا چہرہ
میری بے نور سی آنکھیں
تجھے آواز دیتی ہیں
بڑھا دست سوال اپنا
کہ اس پتھر کی رگ رگ میں
رواں ہوں خون کی لہریں
مسیحا سوچ لے اب بھی
مجھے تیری ضرورت ہے

صبح کے اس پہر روزانہ جب ذلفی ہاتھ میں چائے کا کپ اٹھائے بالکنی میں آتے تھے' تو ماضی کے موسم ہر روز ان کو ستاتے اور ویران کر جاتے تھے' کافی کے مگ سے اٹھتا دھواں انہیں فائزہ کی محبت کی حلاوت کی یاد دلا دیتا تھا اور آج بھی ایسا ہی ہوا تھا' صبح کی ٹھنڈی دلفریب ہوا اور ہاتھ میں پکڑے چائے کے مگ سے اٹھتا دھواں آج بھی ماضی کے ایک دریچے کو کھول گیا تھا۔

فائزہ اس دن سبز رنگ کی شفون کی ساڑھی میں ملبوس تھی' فائزہ ذوالفقار کے لئے کپ میں چائے ڈال رہی تھی اور اس کی شفون کی ساڑھی کا خوشبودار' پلو ذلفی کے چہرے سے ٹکرا رہا تھا اور پلو کی یہ چھیڑ چھاڑ ذلفی کو بہت پسند آ رہی تھی' ذلفی نے اپنی آنکھیں موند لی تھیں۔

یہ لیجیئے چائے اور اگر نیند آ رہی ہے تو دوبارہ جا کے بستر پہ سو جائیں۔" فائزہ نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھا۔"

ہم تو آپ کے ملبوس سے پھوٹتی خوشبو کے دیوانے ہو چکے ہیں' اور ہم ایک شرط پہ بستر میں جانے کے لئے تیار "ہوں گے کہ اگر آپ۔

بس بس رہنے دیجئے۔" فائزہ نے اس کی بات کاٹ دی' جانتی تھی وہ اکثر شریر جملے بول جاتے ہیں۔"

جیسے جیسے عمر بڑھ رہی ہے آپ کی شرارت کچھ زیادہ ہی بڑھتی جا رہی ہے۔" وہ شرما کے بولی۔"

اور جیسے جیسے آپ کی عمر بڑھ رہی ہے' آپ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہوتی جا رہی ہیں۔" وہ مسکرا کے بولے۔"

"ڈاکٹر ز ذوالفقار' ہم آپ ہی کے تو دیوانے ہیں۔"

وہ اسے اور چھیڑنے کے موڈ میں تھے' فائزہ کے چہرے پر بکھرتے شرم کے یہ عکس انہیں بہت بھلے لگتے تھے' اور وہ دیوانے سے ہونے لگتے تھے۔

وہ پل کہ جب وہ فائزہ کے ہمراہ دل کھول کے مسکرائے تھے' آج انہیں رُلا جاتے تھے۔

"صاحب آپ سے کوئی خاتون ملنے کے لئے آئی ہیں۔"

فرخندہ بی کی آواز نے ذلفی کے تخیل کے سارے شیشے کرچی کرچی کر دیئے۔

ہاں۔" انہوں نے واقعی ٹھیک نہیں سنا تھا۔"

"اچھا میں آتا ہوں۔" "کوئی خاتون آپ سے ملنے آئی ہیں صاحب' میں نے ان کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔"

وہ یہ بولے۔

ڈرائنگ روم میں راحلہ حسن ان کی منتظر تھی۔

...☆☆☆...

زندگی کی دعائیں نہیں دیجیے

ضد نہیں کیجیے، ڈوبنے دیجیے

اپنی تشنہ لبی کا تقاضا تھا یہ

پانیوں کے سفر پر چلیں جس گھڑی

ساحلوں پہ کوئی بھی ہمارا نہ ہو

اجنبی دیس کی ملگجی شام کے

آسمانوں پہ کوئی ستارہ نہ ہو

آخری دم تلک کشتیِ عمر کو

بادبانوں کا کوئی سہارا نہ ہو

اب ہمارا تعاقب نہیں کیجیے

!ڈوبنے دیجیے

ماہا نے زندگی کی طرف آنے اور ڈوبنے کے بعد بچ جانے کی منزل پہ پاؤں رکھا تھا۔ وہ زندگی سے بہت دور جا کر واپس پلٹ آئی تھی، اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کئی بار بند کرنے اور جھپکنے کے بعد اس ارد گرد کے ماحول کو پہچاننے کی سعی کی، اس کی پتلیاں روشنی کی عادی نہیں تھیں اور روشنی کی دو چار زور دار شعاعوں نے اس کی آنکھوں کو دوبارہ اپنا عادی بنایا' اور وہ آنکھیں کھولے رکھنے کے قابل ہو گئی، مگر آنکھیں کھولنے کے بعد بھی اس کا ذہن ماؤف و

منتشر تھا،اسے سمجھ نہیں آرہا کہ وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟اور کیوں ہے؟زندگی کی طرف اس کا لوٹ آنا دوبارہ پیدا ہونے کے مترادف تھا کہ جب بچہ خود اپنے ہی وجود سے بیگانہ ہوتا ہے۔

ماہا... ماہا بیٹا۔" راحلہ نے اس کے بستر کے پاس آکے اس کی پیشانی پہ ہاتھ رکھ کر اسے پکارا تھا،ماں کا چہرہ اسے" جیسے گزشتہ زندگی کی یاد دلا گیا تھا،اسے یاد آ گیا وہ ماہا حسن ہے،راحلہ علی حسن کی اکلوتی اولاد اور وہ یہاں پہ اس لئے ہے کیونکہ اس نے زندگی سے منہ موڑ لیا تھا،ہاں اس نے زندگی کو ٹھکرانے کی اس سے جان چھڑانے کی کوشش کی تھی' لیکن کیوں؟اسے ابھی تک یاد نہیں آرہا تھا،وہ اپنے بجھے اور سوئے ذہن پہ زور ڈالنے کی مکمل کوشش کر رہی تھی۔

دیکھو ماہا،میرے ساتھ کون ہیں،ڈاکٹر ذوالفقار تمہارے سر۔" راحلہ نے اسے مزید متوجہ کیا اور یکا یک ماہا کے ذہن" نے قبول کیا،ڈاکٹر ذلفی کے نام کا ہتھوڑا دو چار بار زور سے ماہا کے دماغ کی نسوں سے ٹکرایا اور اس کے ماؤف ذہن میں ایک زوردار ارتعاش پیدا ہوا۔

اسے یاد آگیا اس ظالم کا نام،اس کا ظلم،اس کی ناقدری اور اسے یاد آ گیا کہ اس نے اپنی بیش بہا قیمتی زندگی اسی کے لئے ٹھکرائی تھی' اسی کے لئے ختم کرنے کی کوشش کی تھی،کچھ لمحوں بعد ڈاکٹر ذلفی کا چہرہ عین اس کی آنکھوں کے سامنے تھا،اپنے ازلی سحر اور کشش کے ہمراہ۔

مانا کہ تو یوسف سا حسیں ہے لیکن
یہ میرا دل ہے کوئی مصر کا بازار نہیں

ماہا کی آنکھیں ذلفی کے چہرے پر پڑیں تو پھر جھپکنا ہی بھول گئیں،یقیناوہ چہرہ بہت پر کشش جاذب اور سحر برپا کر دینے والا تھا،یقینا اس چہرے پہ ماہا پوری دنیا کو لٹا دیتے، حتیٰ کہ اپنی زندگی تک گنوا دینے کو تیار تھی،اس سے دیوانوں کی سی محبت کرتی تھی،ایسی محبت جس نے ہر سرحد حتیٰ کہ زندگی کی سرحد کو پھلانگنے پر بھی اپنا دل راضی کر لیا تھا۔

"ماہا... ماہا ڈیئر اٹھو، کم آن ویلکم بیک ٹو لائف ماہا۔" یہ ذلفی تھے' جو اس کے سرہانے اس کے بہت پاس کھڑے اس کے نام کو پکار رہے تھے، یہ قسمت کی کرم نوازی تھی یا پھر اس کے خود کشی کے عزم کی کہ آج اس کی محبت اس کی آنکھوں کے عین سامنے تھی۔

...☆☆☆...

اگلے چند دن ماہا کی زندگی لوٹانے میں اس کے لئے بہت کار گر ثابت ہوئے اور سب سے ضروری اور خاص بات یہ کہ ان دنوں میں ذوالفقار اس کے ساتھ تھے، وہ اس کا اس طرح سے خیال رکھ رہے تھے کہ جیسے ماہا سے بڑھ کر ان کی زندگی میں کوئی دوسری ضروری شے نہیں، وہ اسے دوائیاں پلاتے، اپنے ہاتھ سے پھل کاٹ کے کھلاتے' چمچ سے سوپ قطرہ قطرہ ماہا کے منہ میں ڈالتے' اس کا بلڈ پریشر چیک کرتے اور اس کی صحت میں آئی ہر طرح کی تبدیلی کو اپنے لئے بہتر جانتے، کیونکہ یہ ذمہ داری بہر طور ان کی تھی، ماہا کو زندگی کی طرف لے آنا اور ماہا کو دوبارہ اس کی مسکراہٹیں لوٹانا، ذلفی اس ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جانا چاہتا تھا کہ اس نے ماہا کی زندگی کو نقصان پہنچایا ہے۔
یہ ذلفی کی محبت اور اس کی تیمار داری کا اثر تھا کہ ماہا بہت جلد بہتر ہو گئی، جس دن ہاسپٹل سے اس کا ڈسچارج ہوا، ذلفی اپنی ہی گاڑی میں اسے گھر لے آئے تھے، جبکہ راحلہ نے پورے گھر میں پھول اور ویلکم کے وش کارڈز سجا رکھے تھے، وہ گھر آ کے بہت خوش تھی کیونکہ ذلفی اس کے ساتھ تھے اور اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اب زندگی بدل گئی ہے، اس نے زندگی سے ہر وہ چیز پالی ہے' جو اس کا خواب تھا، اسے لگا کہ محبت کی مسافت فقط اتنی ہی تھی' اور اب ہر مسافت کا انت ہو گیا ہے' اور محبت قدرت نے اس کی جھولی میں ڈال دی ہے' زندگی کے ساتھ ہی اسے اس کی محبت کا تحفہ ملا ہے' اور اس احساس نے اسے بہت خوش اور مطمئن کر ڈالا تھا۔
"ماہا زندگی اتنی بری تو نہیں کہ اس سے یوں منہ موڑ لیا جائے۔" ذلفی نے اس کے پاس آ کے کہا تھا، وہ بالکنی میں

کھڑے سامنے پھیلے بے انت اور وسیع سمندر کی لہروں کو تک رہی تھی' جو سوڈیم لائٹس کی روشنی میں بہت سفید اور بہت اجلی محسوس ہو رہی تھیں۔

"میں نے تو خود سے منہ موڑا تھا، زندگی سے نہیں۔" وہ بولی۔

ذلفی نے اورنج جوس کا وہ گلاس اسے پکڑایا جو راحلہ نے اسے ماہا اور اپنے لئے دیا تھا۔

"کیا اچھے بچوں کو ایسا کرنا چاہیے؟ کیا زندگی جیسی نعمت بار بار مل سکتی ہے۔" ذلفی نے کہا۔

"جب احساس ہو کہ زندگی کسی کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی' اور اسے اس کے انجام تک پہنچانا ہی بہتر ہے تو پھر نعمتوں کا احساس جاتا رہتا ہے۔" وہ بولی۔

"اگر زندگی کا آغاز ہمارے ہاتھ میں نہیں تھا، تو انجام کی فکر ہم خود کیوں کریں۔" ذلفی کے سوال کا ماہا کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"بہادر لوگوں کا یہ شیوہ نہیں ہوتا کہ وہ معمولی معمولی باتوں کو اس طرح دل پہ لے لیں' اور جذباتی پن کی انتہا پہ پہنچ کر زندگی کو داؤ پر لگا لیں، تم تو مستقبل کی ڈاکٹر ہو اور ڈاکٹر اپنی آنکھوں کے سامنے کیا نہیں دیکھتے؟ ٹوٹتی سانسیں، بند ہوتی دل کی دھڑکن، سینے سے چلتا ہوا دل باہر نکال کے اس کے والو کھولنا، انسان سے دوسرے انسان کو جنم دینا، مردہ وجود کو چیر پھاڑ کے اس کا پوسٹ مارٹم کرنا، الگ ہوئی انگلیوں اور ہاتھوں کو دوبارہ جسم پہ لگانا، کھوپڑی کے دو حصے کر کے مغز میں ٹیومر نکالنا نازک سی آنکھ کی پتلی سے موتیا نکالنا اور نجانے کیا کچھ، ڈاکٹر روزانہ ایسی ایسی چیزیں خود اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں' جسے عام انسان دیکھتے ہوئے بھی لرزتا ہے ماہا۔" ڈاکٹر ذوالفقار کا لہجہ ایک یونیورسٹی پروفیسر کا ہو گیا۔

"Be realistic ماہا! تمہیں اگر ایک کامیاب ڈاکٹر بننا ہے تو اپنے نظریات بدلنے پڑیں گے ورنہ زندہ رہنا عذاب ہے، نرم دل رکھنے والوں کے لئے تو یہ دنیا کانٹوں کی سیج ہے۔" ذلفی اب نرم لہجے میں بولے۔

"کچھ چیزوں اور کچھ انسانوں کے بغیر زندگی کا کوئی مقصد کوئی مصرف نہیں ہوتا۔بہت بے معنی چیز لگتی ہے زندگی، کوئی تھیوری، کوئی فلسفہ،کوئی پریکٹیکل زندگی پہ اپلائے نہیں ہوتا،انسان خود اپنے آپ سے ہار جاتا ہے،خود اپنا ہی وجود ایک بوجھ لگنے لگتا ہے۔" ماہا کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"اور محبت بھی پروردگار نے ایسی ہی اک شے بنائی ہے سر! بہت ظالم،بہت دکھی کرنے والی مگر بہت،دلکش،بہت پرکشش،ہم چاہیں بھی تو اس سے بچ نہیں پاتے،اس سے تو فرار ممکن ہی نہیں۔"

"میں یہ سمجھتا ہوں کہ اکثر ہم غلط فہمیوں کو محبت کا نام دے دیتے ہیں، سطحی کشش Attraction نرم جذبات،اپنائیت، دوستی،اچھا لگنا ہمارے لئے محبت بن جاتا ہے،ہم اپنی آدھے سے زیادہ

زندگیاں غلط فہمیوں کی نذر کر دیتے ہیں' اور ایک عمر گزار دینے کے بعد ہم خود سے کہتے ہیں کہ دراصل ہمیں اس شخص سے محبت تھی ہی نہیں اور تمہاری عمر کی محبت بھی ایسی ہی ہے،ہوا میں معلق کسی بلبلے کی مانند۔" ذلفی نے واضح طور پر کہا۔

"یہ فیصلہ آپ کو نہیں مجھے کرنا ہے سر! کہ میری محبت غلط فہمی ہے،یا کشش ہے آپ اسے کوئی بھی نام دے دیں میرے لئے یہ محبت ہی رہے گی۔" وہ حتمی طور پر کہتی بہت اطمینان سے بالکنی سے چلی آئی تھی،ڈاکٹر ذوالفقار کو سوچتا ہوا چھوڑ کر۔

...☆☆☆...

فاطمہ کو عادل کے گھر سے بنا اطلاع کے آئے ایک ماہ ہو چکا تھا اور عادل کا اسے تلاش کر کر کے برا حال تھا،نجانے ایسا کیا رشتہ تھا اس لڑکی کے ساتھ اور اس کے دونوں معصوم فرشتوں کے ساتھ کہ ان کے بغیر دنیا بے معنی سی لگتی

تھی، آج بھی وہ تھکاہارا گھر لوٹا تھا۔ہاتھ میں ایک رجسٹری تھی' جو کسی نامعلوم جگہ سے آئی تھی،وہ بہت بوجھل قدموں سے سیڑھیاں چڑھتا اوپر آیا، لاؤنج کی بادامی رنگ کی دیوار پہ ایک تصویر لگی تھی، عدنان، فاطمہ اور اس کے دونوں بچوں کی تصویر، جو کہ مسکراتے خوشنمادنوں کی ایک خوبصورت یاد تھی۔عادل کی نظر بے اختیاری میں ہی اس خوبصورت تصویر پہ پڑ گئی' اور اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔

"نجانے کس کی نظر لگ گئی اس معصوم خاندان کو؟ نجانے کیوں بکھر گیا یہ چھوٹا سا گھر؟" وہ گویا خود سے ہی سوال کر رہا تھا۔

اتنا خوبصورت گھریوں بکھر جانے کو تو نہ تھا، نجانے پروردگار کی بے نیاز ذات کیونکر ایسے فیصلے' ایسے سفاک فیصلے تحریر کرتی ہے، نجانے وہ ایسی ادھوری کہانیاں کیوں تحریر کرتا ہے کہ جو مٹتی ہیں اور نہ بھولتی ہیں، فقط اک طویل کرب اپنے پیچھے چھوڑ کے چلی جاتی ہیں نجانے ہاتھوں میں ایسی لکیریں وہ کیوں بناتا ہے جو فقط گڈمڈ ہو جاتی ہیں' مٹ بھی نہیں پاتیں۔

ہاتھ میں پکڑے رجسٹرڈ خط کو عادل نے کھولا اور آنکھوں کی نمی صاف کی،ہاتھ میں ایک بینک ڈرافت تھا' اور ایک خط، خط کی تحریر جانی پہچانی تھی،اس نے پڑھنا شروع کیا۔

"بہت اچھے عادل! مجھے نہیں پتہ کہ میں نے تمہیں کتنا بڑا دکھ دیا ہے' اس طرح بنا بتائے تمہارے گھر سے آ کر اور تمہاری دسترس سے دور ہو کر۔"

مجھے بس یہ پتہ ہے کہ میں نے جو بھی کچھ کیا،وہ ایک مصلحت کے تحت کیا' مجھے اپنے لئے اب کسی بھی شے کی طلب نہیں، میری زندگی کا محور و مقصد فقط حرا اور اذین ہیں، لیکن میں تمہیں بھی ہرگز ہرگز دکھی اور مضطرب نہیں دیکھ سکتی، میں جانتی ہوں تم مجھے اور میرے بچوں کو بے حد چاہتے ہو' اور یہ رشتہ میرے مرحوم شوہر کی وجہ سے زیادہ گہرا اور اٹوٹ ہے' جو کہ شاید کبھی ٹوٹ نہیں سکتا، لیکن دوسری طرف یہ بھی اک سچائی ہے کہ میں تمہاری زندگی میں رہ کر

تمہارے لئے مسائل ہی پیدا کرتی اور کچھ نہیں۔

میں نہیں چاہتی کہ تم شانزے سے الگ ہو جاؤ، مجھے پتہ ہے تم اس سے بے پناہ محبت کرتے ہو' اور میں دیکھ رہی تھی کہ میں اس سے تمہیں دور کر رہی تھی، گو کہ نادانستہ تھا، لیکن تھا تو صحیح ناں؟

میں نے اور عدنان نے تمہیں ہمیشہ بستا ہوا دیکھنا چاہا تھا' اور آج بھی یہی خواہش ہے، پلیز تم شانزے سے شادی کر لو، یہ میری اور عدنان کی خواہش بھی تھی، اس کا مان رکھ لو۔

یہ بینک ڈرافٹ وعدے کے مطابق وہ رینٹ ہے' جو تمہارے گھر میں رہنے کا میں نے ادا کیا ہے، میں جہاں ہوں بحفاظت ہوں، مطمئن ہوں، بچے بھی پر سکون ہیں، مجھے تلاش مت کرنا عادل! اور ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔

صرف فاطمہ عدنان عادل نے خط کے اختتام پر وہ بینک ڈرافٹ مروڑ توڑ کے دور پھینک دیا' اور پہلے سے کہیں زیادہ ڈسٹرب ہو گیا تھا۔

"نجانے کہاں چلی گئی ہے وہ؟ دو معصوم سے بچوں کو لے کے کہاں سے ڈھونڈوں میں اب اسے پھوپھو؟ نجانے کہاں سے اتنی ضد اور انا بھر گئی ہے فاطمہ میں۔" وہ سامنے پڑے ٹیبل کو غصے میں لات مار کے بولا۔

"انا اور ضد نہیں ہے بیٹا! اس کی سمجھداری اور خودداری ہے۔" پھوپھو نے بہت اطمینان سے کہا۔

"کیا خاک سمجھداری ہے پھوپھو؟ اور آپ بھی اس کی حمایت کریں کہ وہ مجھ سے دور رہے اور بچوں کو بھی مجھ سے دور رکھے، کیونکہ دراصل آپ وہ پہلی شخصیت تھیں' جس نے اسے مشورہ دیا تھا کہ یہاں سے چلی جائے۔" عادل نے اب اپنے حملے کا رخ پھوپھو کی جانب موڑ لیا۔

"میں نے تو صرف دنیا والوں کی بات کی تھی، کہ وہ نجانے کیا کچھ..."

"لعنت بھیجتا ہوں میں دنیا والوں پر پھوپھو، بھاڑ میں جائے دنیا' اگر فاطمہ کو کچھ ہو گیا تو کیا کرے گی آپ کی دنیا؟ اگر

اس کے بچے بے سہارا رہ گئے تو کس کو سنبھالے گی یہ دنیا؟" غصہ اس کے اندر سے ابل ابل کے باہر آ رہا تھا، پھو پھو خاموش ہو گئیں۔

شانزے کا تو ہے ہی الٹا دماغ، نفرت اور خود پسندی کی آگ میں جھلس رہی ہے وہ' لیکن کم از کم میں آپ سے یہ توقع" نہیں رکھتا تھا پھو پھو، آپ تو... آپ تو میری اپنی ہیں ناں۔" عادل کا دل کر رہا تھا وہ سسکیاں لے لے کر روئے' وہ بے بسی کی انتہا پہ تھا۔

پھو پھو وہاں سے اٹھ کر چلی گئیں' اور کچھ دیر بعد پانی کے ٹھنڈے گلاس کے ہمراہ آئیں' اور پانی اس کی طرف بڑھایا، اس نے پانی کا گلاس لے کر پی لیا، اب واقعی وہ کافی حد تک ٹھنڈا ہو گیا تھا، پھو پھو اب اس کے سامنے والے کاؤچ پہ بیٹھ گئیں۔

اس طرح سے غصے میں بلبلاتے پھرنا، یوں دفتر سے چھٹی کر کے، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے بیٹھ جانا' اس سے کیا ہو گا" عادل۔" وہ بولیں۔

میرا دل نہیں کرتا پھو پھو! میرا بالکل دل نہیں کرتا کہیں جانے کو' کسی سے ملنے کو، کام کرنے کو، میں پاگل ہو جاؤں" گا اس طرح سے۔" وہ بولا۔

اب اگر ملے تو فاطمہ کو بتا دینا۔" پھو پھو نے نہایت اطمینان سے کہا۔ "

"کیا بتا دوں؟"

یہی کہ تم اس سے بے حد محبت کرتے ہو' اور اس کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کرو گے۔" بہت مطمئن لہجے" میں پھو پھو نے بات کہی تھی' اور عادل کے سر پہ گویا اک ہتھوڑا پڑا تھا۔

محبت۔" دماغ اس ایک لفظ پہ رک گیا تھا، پھو پھو نے آگے کچھ نہیں کہا' اور وہ اٹھ گئیں اور عادل اپنا دل تھامے"

بیٹھا رہا' دل سے ایک ہی آواز آ رہی تھی۔

محبت محبت محبت، پہلی محبت... آخری محبت... شدید محبت... بے انتہا محبت... اندھی محبت... گونگی محبت... بہری محبت... گہری محبت... محبت محبت محبت، دل پنڈولم کی طرح اس ایک لفظ کے ارد گرد جھول رہا تھا۔

...☆☆☆...

ایک ڈیڑھ ہفتے کی چھٹی کے بعد وہ آج آفس آیا تھا، گو کہ وہ گزشتہ پوری رات سو نہیں سکا تھا، نیند نے اس کو اپنی پناہ میں چھپا لینے سے انکار کر دیا تھا، لیکن خود کو مصروف رکھنے کا سوائے اس کے کوئی حل نہیں تھا کہ وہ آفس آئے، اسے اب اپنے آپ سے بھاگنا تھا، اپنے دل سے چھپنا تھا' اور وہ اب اپنی آنکھیں بھی اپنے آپ سے ملانا نہیں چاہتا تھا۔

اپنے کیبن میں پہنچا تو وہاں کوئی اور بیٹھا تھا' اور دروازے پر اس کے نام کی جگہ کسی "رضوان انور" کے نام کی تختی لگی تھی، وہ حیرت زدہ رہ گیا' اور سیدھا شانزے کے دفتر کی طرف آیا، شانزے کے پی اے نے اسے دروازے پر ہی روک لیا۔

ایکسکیوزمی سر! آپ اندر نہیں جاسکتے۔" وہ بولی۔"

"کیوں...؟ کیوں نہیں جاسکتا؟"

کیونکہ میم کسی ضروری میٹنگ میں بزی ہیں' اور انہوں نے کسی سے بھی ملنے سے انکار کر دیا ہے۔" پستہ قد سیکرٹری" نے کہا۔

کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ میں کون ہوں؟" وہ حیرت زدہ ہی تو ہو گیا تھا۔"

جی علم ہے... لیکن۔" وہ عادل کے جارحانہ انداز پہ شرمندہ سی ہو گئی تھی، عادل نے اب اسے کچھ کہے بغیر ہی"

شانزے کے کیبن کا دروازہ کھولا اور اندر چلا گیا' اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ ایک اور ایچ آر مینجر کے ساتھ قریب انتہائی قریب بیٹھی تھی' اور اس نے شانزے کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔

عادل کے لئے یہ منظر بہت اذیتناک تھا' بہر طور یہ وہ لڑکی تھی' جس کے ساتھ اس نے زندگی گزارنے کا ارادہ کیا تھا' اور اسے اپنی عزت بنانے پہ خود کو آمادہ کیا تھا' اور آج اس کی عزت۔

شانزے کو اسے دیکھ کے غصہ آیا' اور وہ اپنی جگہ سے اٹھی، گزشتہ ایک ماہ سے اس کا شانزے سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔

"بغیر اجازت کے تم اندر کیسے آئے؟ How dare you coming in my office"

کیونکہ میں آج تک تم سے اجازت لے کر اندر نہیں آیا۔" وہ بولا۔"

ہاں کیونکہ اس وقت تم اس دفتر کے امپلائی تھے اب میں نے تمہیں یہاں سے فارغ کر دیا ہے' تمہارا اس دفتر سے" کوئی تعلق نہیں۔" وہ غصے میں بولی۔

واٹ؟ تم نے مجھے فارغ کر دیا؟ مگر کیوں؟" وہ حیران ہوا۔"

"تمہاری کرپشن کی وجہ سے، کیا تم نے وہ ای میل نہیں پڑھی جو ادارے نے تمہیں کی تھی؟"

"مجھے کوئی ای میل نہیں ملی۔" وہ بہت غصے میں آ گیا تھا، وہ اوّل دن سے ہی عادل سے جلتا تھا' اور یہ منظر اس کے لئے پر لطف تھا۔

"ٹھیک ہے، میں جولی سے کہتی ہوں کہ تمہیں شو کاز دے دے اور ساتھ ہی میری انگیجمنٹ کا کارڈ بھی اس اتوار میری اور جاوید کی منگنی ہے۔" شانزے نے بہت اطمینان سے اس شخص کا نام لیا' جو پاس ہی بیٹھا تھا، عادل کے تن بدن

میں گویا آگ لگ گئی، وہ بنا کچھ کہے شانزے کے دفتر سے نکل آیا' اور شانزے کے دل میں ڈیڑھ ماہ سے چھپا بوجھ اتر گیا، وہ بہت مطمئن ہو کر مسکرا رہی تھی، آج اس کا دل ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

...☆☆☆...

"میں نے زندگی میں اتنی نفرت کبھی کسی سے نہیں کی پھوپھو' جتنی کہ شانزے سے کرتا ہوں، اس جیسی عورت میں نے زندگی میں نہیں دیکھی۔" وہ غصے میں کلبلا رہا تھا۔

"عورت کی میں بہت عزت کرتا ہوں، میرے لئے وہ ہر روپ میں محترم رہی ہے لیکن یہ عورت ہر طرح سے میرے لئے قابل نفرت ہے، کیونکہ اس نے مجھے Terminate کر کے میری بے عزتی ہی نہیں کی' بلکہ اپنی اصلیت دکھائی ہے۔" وہ لاؤنج میں دائیں سے بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔

پھوپھو جائے نماز پہ بیٹھی تسبیح پڑھنے میں مصروف تھیں' اور خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔

"مجھے آج خود پہ حیرت ہو رہی ہے کہ میں نے اس لڑکی کو چاہا' اور اس کے لئے محبت جیسے مقدس جذبے کو اپنے اندر پالا؟ کیسے... کیسے کر سکتا ہے کوئی بھی شریف انسان اس سے محبت؟ وہ محبت کے قابل ہی نہیں، وہ تو انتہا کی انا پرست، خود غرض اور انتہائی سیلفش ہے، وہ نہیں ہے چاہے جانے کے قابل۔" وہ بولا اور نیچے فرش پر پھوپھو کے عین سامنے بیٹھ گیا۔

"خدا کا لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے ایک طویل اذیت سے بچا لیا' اور میں نے اس فضول عورت کے ہاتھ اپنی زندگی نہیں سونپ دی' میری محبت یکطرفہ تھی' جو کہ اس کی خود غرضی اور خود پرستی دیکھ کر اپنی موت آپ مر گئی، غلط تھا میں، بہت غلط تھا۔" وہ مسلسل نفی میں گردن ہلا رہا تھا، پھوپھو نے جائے نماز کا کونا الٹایا اور تسبیح جائے نماز کے اوپر رکھ دی۔

"اپنے خدا کا جتنا احسان مانوں اتنا کم ہے، بے شک وہ انسان کے چہرے کے اندر چھپے بہروپ بہتر طور پہ جانتا ہے، بے شک اس کے فیصلے ہمارے فیصلوں سے زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔" وہ ندامت کی انتہا پر تھا' دل کی بھڑاس لفظوں میں نکال کے اس نے اک مطمئن سی سانس لی۔

"بڑوں کو کہتے سنا ہے بیٹا! کہ جو ہوتا ہے بہتری کے لئے ہوتا ہے' اوراب کے فیصلوں کو رب خود ہی جانتا ہے، اچھا ہی ہوا کہ یہ ٹوٹا پھوٹا یکطرفہ رشتہ جڑنے سے پہلے ہی ٹوٹ گیا، سوچو اگر تمہاری ضد یہ رشتہ جوڑ لیتی تو بعد میں کیا انجام ہوتا۔" پھو پھو نے کہا۔ اب وہ گردن جھکائے خاموش تھا۔

"اصل میں فاطمہ کی محبت اور شانزے کی نفرت دونوں اکٹھی تمہاری زندگی میں آئی ہیں' اور تم خود ان دونوں کا سامنا کر پانے کی ہمت اپنے اندر جمع کر رہے ہو، محبت کا الٹ نفرت ہوتی ہے' اور نفرت کا الٹ محبت، جب دو مختلف سمتیں ایک ہی انسان کی زندگی میں بیک وقت آئیں تو انسان تمہاری ہی طرح پریشان ہو جاتا ہے عادل۔" پھو پھو اپنا فلسفہ بیان کر رہی تھیں' اور وہ محبت کا نام سن کر ایک بار پھر خود سے بھاگنے لگا، پھو پھو کے پاس سے خاموشی سے اٹھ آیا اور باغ کے ایک کونے میں آ کے پناہ لی' جہاں نیم کے پیڑ کو چاندنی کرنیں روشن کر رہی تھیں اور چاندنی روشنی میں ستارے لکن چھپائی کھیل رہے تھے۔

عادل کو لگا' جیسے ستاروں نے آسمان پر لفظ محبت لکھ ڈالا ہو، نیم کی روشن پتیوں نے اپنے وجود سے اس محبت کے لفظ کا قالب اوڑھ لیا ہو' دور تک آسمان کی وسعتیں لفظ محبت محبت کا ورد کر رہی تھیں۔

"محبت اور فاطمہ سے؟ کیسے کر سکتا ہوں میں۔" اس کا دماغ بولا۔

"کیوں... کیوں نہیں کر سکتے؟ کیا وہ چاہے جانے کے قابل نہیں؟ وہ تو پور پور محبت ہے، محبت کرنے والی، محبت دینے والی، ممتا اور اپنائیت سے بھرپور عورت۔" اس کے دل سے آواز آئی۔

"لیکن وہ میرے مرحوم دوست کی بیوی ہے' اس کی محبت ہے، ان دونوں کی لازوال محبت میں کیسے بھلا سکتا ہوں؟"

دماغ نے اک اور ہتھوڑا مارا۔

"اسے میری ضرورت ہے، میرے سہارے کی ضرورت ہے، اسے اپنانا ہی تو دراصل اپنے دوست کی روح سے انصاف ہوگا، اس کو یوں اکیلا اس کے حال پہ چھوڑنا کہاں کی دوستی ہے۔" دل نے اک اور دلیل دی۔

"لیکن وہ نہیں مانے گی، نہیں مانے گی، کبھی نہیں مانے گی۔" دماغ مصر تھا۔

"وہ مان جائے گی، وہ خود ٹوٹی ہوئی ہے، محبت اس کو جوڑ دے گی، اس کا سہارا بنے گی، اسے سنبھالے گی۔" دل کی دلیلیں جیت گئیں اور وہ ہار گیا، دل ہمیشہ ہی ہرا دیتا ہے، کیونکہ وہ صادق ہوتا ہے۔

...☆☆☆...

"باجی! ایک بات کہنا چاہتی ہوں بہت دنوں سے لیکن ہمت نہیں پڑتی۔" کام کرنے والی ماسی نازیہ نے روشین کو فارغ بیٹھے دیکھا تو پاس آ گئی۔

"کہو کیا کہنا ہے؟" روشین نے کہا۔

"باجی آپ برا تو نہیں مناؤ گی ناں؟ مجھے آپ کے غصے سے بڑا ڈر لگتا ہے جی۔" وہ بولی۔

"ہمت کی ہے بتانے کی تو پھر چھپانا کیسا؟ اور پھر مجھ سے تمہیں کیسا ڈر۔"

"باجی... میں ناں... ایک واری فیر امید سے ہوں اور... اور مجھے اس بچے کی کوئی ضرورت نہیں، میں اسے ضائع کرانا چاہتی ہوں۔" نازیہ کی عام سے لہجے میں کہی بات نے روشین کو خاموش کر ڈالا۔

وہ جو پچھلے دو ماہ سے بچہ ناں ہونے کے غم میں گھلی جا رہی تھی، اس کے سامنے بیٹھی عام سی عورت کہ جس سے وہ اس کی مزدوری خریدتی تھی، آج اس غم میں گھل رہی تھی کہ اس کے پاس وہ نعمت ایک بار پھر آئی ہے' جس سے روشین

ہمیشہ کے لئے محروم رہ گئی ہے۔

"اگر آپ میری مدد کریں باجی! تو مجھے اس سے نجات مل سکتی ہے۔" نازیہ نے التجا کی۔

"تم نے نجات کا لفظ استعمال کیا؟ تمہیں معلوم نہیں کہ یہ تمہاری اپنی اولاد ہے، باقی اولادوں کی طرح؟" روشین کا لہجہ نادانستہ طور پر کرخت ہو گیا۔

"جانتی ہوں باجی... لیکن اس کو اس دنیا میں کیوں لے کر آؤں نہ اسے کھلا سکوں گی، نہ اس کا تن ڈھانپ سکوں گی، پچھلوں کو کیا دے دیا ہے' جو اس کو دوں گی؟ بھوک سے، بیماری سے گرمی سے مر رہے ہیں وہ... پھر اس آنے والے کو آنے سے پہلے کیوں نہ ماردوں۔" نازیہ کی آنکھوں میں نمی کے موتی جھلملائے تھے۔

"اگر پہلے نہیں پالے اور سنبھالے جاتے تو اگلے کو جان کا تحفہ دیا ہی کیوں؟ قتل کرنے سے بہتر ہے کہ تم نئی جانوں کو آنے ہی نہ دو۔" روشین نے سختی سے کہا۔

" چار دن سے بخار میں تپ رہا ہے میرا چھوٹا بیٹا! اس کے باپ کے پاس نشہ کرنے کے پیسے تو ہیں، دوا لانے کے پیسے نہیں، میری بیٹی جوان ہو گئی ہے، میں اسے گھر سے باہر نکالنا نہیں چاہتی، لیکن مجبوری ہے اسے بھی میری طرح کوٹھیوں پہ کام کرنا پڑتا ہے، پچھلے گھر سے میں نے کام چھڑوا دیا، صاحب کی نظریں ٹھیک نہیں تھیں، کیا کریں باجی! زندگی کو گھسیٹنا مجبوری ہی تو ہے۔" نازیہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے تھے۔

"اولاد کو صرف پیدا کرنا ہی تو نہیں ہوتا ناں، کھانا پلانا، ان کا تن ڈھانپنا، سردی گرمی سے بچانا، تعلیم دلانا، سر کو چھپانے کی چھت نہ ہو تو پھر قتل نہ کریں تو اور کیا کریں؟" نازیہ نے کہا۔

روشین اس کی باتیں سنتے سنتے کہیں کھو گئی تھی' اور اپنے پروردگار سے ہمکلام ہو گئی تھی۔

"واہ میرے مالک! تو واقعی بے نیاز ہے، وہاں سے چھینتا ہے جہاں پہ شدید طلب ہو' اور وہاں عطا کرتا ہے جہاں پہ طلب ہی نہ ہو، تیری بانٹ واقعی نرالی ہے میرے مالک!" روشین کی آنکھ میں بھی نمی کا اک قطرہ چمکا، کافی صدیاں

ان دونوں کے بیچ سے گزر گئیں، نازیہ اٹھ کر جانے لگی، روشین نے پاس رکھے اپنے پرس کو کھولا۔

"رکو۔" اس کے روکنے پر نازیہ کے قدم ٹھہر گئے، روشین نے ہزار ہزار روپے کے دو نوٹ نکال کر اسے دیئے۔

"یہ لو، اپنے بیٹے کا علاج کراؤ اور کل تیار رہنا میں ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لے لوں گی۔" روشین کے ہاتھ سے نازیہ نے پیسے لئے اور دعاؤں کے لئے اپنے لبوں کو آزاد کر لیا۔

صبح اس نے راحیل کو بازار جانے کا بہانہ بنا دیا تھا، ثانیہ سے فون پہ وقت لے لیا تھا، دس بجے تک نازیہ آئی تو اس نے نازیہ کو گاڑی میں بیٹھ جانے کو کہا اور خود اپنا پرس اور پیسے لینے کے لئے الماری کی طرف گئی۔

ابھی الماری کا پٹ کھولا ہی تھا کہ ایک پیکٹ اس کے اوپر آ کے گرا، اس نے پیکٹ اٹھایا اور کھولا، ننھے ننھے کپڑے موزے اور ٹوپیاں تھیں' جو اس نے اپنے بچے کے لئے بنائی تھیں، انہیں دیکھ کے دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا، آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں، کتنی خواہش اور کتنی چاہت سے بنائے تھے اس نے یہ کپڑے' اور پھر اس سے آگے وہ کچھ اور نہ سوچ پائی، ایک اور عجیب و غریب خیال نجانے کہاں سے اس کے ذہن میں آیا، وہ خود حیران رہ گئی، اس خیال کو بھی وہ کوئی حتمی شکل نہیں دے پائی اور اپنا آپ گھسیٹتی گھسیٹتی گاڑی تک آئی۔

راستہ بھر وہ خاموش تھی، ذہن عجیب قسم کی سوچوں اور سوالات میں الجھا تھا' راستہ بھر اس نے نازیہ سے کوئی بات نہ کی، نہ ہی کسی کا فون اٹینڈ کیا، ہاسپٹل پہنچی تو جیسے مرے مرے قدموں سے نیچے اتری، گو کہ وہ اس وقت تک فیصلہ کر چکی تھی، اب فقط اس فیصلے کو عملی جامہ ہی پہنانا تھا، اندر آتے ہی اس نے ثانیہ کے سامنے اپنی دل کی بات کہہ دی۔

"اس بچے کو قتل ہونے سے بچا لو ثانیہ! اسے میں پالوں گی، میں اس کی ماں بنوں گی۔" اس کی بات پہ ثانیہ سے زیادہ نازیہ کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

""کیا کہہ رہی ہیں باجی جی؟"

میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نازیہ! یہ بچہ میرا بچہ ہے، میرے لئے ہے،ہاں صرف اس کی جنم دینے والی ماں تم ہو گی،"
اسے میں پالوں گی، میں اس کی ماں بنوں گی۔" اس نے بڑے یقین سے وہ الفاظ دہرائے، نازیہ حیرت زدہ ہو گئی۔
ثانیہ پلیز اسے سمجھاؤ جو اس کے پاس ہے وہ میرے پاس نہیں ہے، میں ماں نہیں ہوں تو میں خود کو مکمل نہیں"
سمجھتی، اس کا بچہ مجھے مکمل کر سکتا ہے، میں اسے کھلاؤں گی، پہناؤں گی، پڑھاؤں گی، میں اسے دنیا کی ہر مشکل سے
بچاؤں گی۔" وہ نم آنکھوں سے بولی۔

کیا راحیل بھائی مان جائیں گے روشین؟" ثانیہ نے پوچھا۔"

اسے ماننا پڑے گا ثانیہ! اسے میری خوشی کے لئے ماننا پڑے گا، یہ کوئی گناہ یا غلط کام تو نہیں، یہ تو نیکی ہے، ثواب"
ہے، گناہ تو وہ تھا' جو ابھی ہم کرنے جا رہے تھے۔" وہ روتے روتے گردن اثبات میں ہلانے لگی، ثانیہ اور نازیہ
خاموش ہی تو رہ گئی تھیں۔

...☆☆☆...

میرا کام مکمل ہو گیا ہے مسز حسن! اب مجھے اجازت دیجئے میں جا رہا ہوں۔" ڈاکٹر ذوالفقار نے راحلہ سے کہا۔"

"... لیکن ڈاکٹر ماہا کو میں کیا کہوں گی؟ وہ تو آپ ہی سے اتنی اٹیچ ہے' اور پھر اس کی طبیعت ابھی"

ٹھیک ہے اس کی طبیعت۔" ذلفی نے درمیان سے اس کی بات کاٹی۔"

وہ جو ضد کر رہی ہے وہ کبھی پوری نہیں ہو سکتی، بچگانہ پن اور جذباتیت کوٹ کوٹ کر بھری ہے آپ کی بیٹی میں،"
ناممکن کو ممکن بنانا چاہتی ہے اور میں اس کے پاگل پن کے لئے اپنا کام دھندہ چھوڑ چھاڑ کے بیٹھ نہیں سکتا۔" وہ بولا۔

وہ میری اکلوتی اولاد ہے ڈاکٹر ذوالفقار اور میں اسے ہرگز تڑپتا روتا نہیں دیکھ سکتی۔" راحلہ کے لہجے میں ماہا کے لیے پیار تھا۔

آپ اس کی جلد سے جلد شادی کر دیں۔ مسز حسن! شاید وہ ذہنی طور پر کچھ میچور ہو جائے، وہ بہت جذباتی اور بے انتہا ضدی ہے۔" ڈاکٹر ذلفی کی اس بات پہ ماہا فوراً باہر آ گئی اب اور وہ کچھ سننا نہیں چاہتی تھی اپنے خلاف۔

ہاں میں ہوں ضدی، ہوں میں جذباتی، میں نے آپ سے بے انتہا اور شدید محبت کی ہے سر اور آپ کے بنا زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی' آپ کو دکھاؤں کہ اگر آپ مجھے نہیں ملے تو میں اپنی جان دے دوں گی اور اس سے مجھے آپ بھی نہیں روک سکیں گے۔" وہ شدتِ جذبات سے بولی۔

تمہیں اگر اپنی زندگی پیاری نہیں تو کم از کم اپنی ماں کا خیال ہی کر لو۔" ذلفی نے کہا۔"

آپ کو بھی اگر اپنی زندگی کی پروا نہیں تو کم از کم میری زندگی کی پرواہی کر لیں۔" وہ عین اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

بے وقوف ہو تم اور حد سے زیادہ پاگل۔" وہ جو بہت کم غصہ کرتے تھے فوراً غصے میں آ گئے۔"

اور آپ بہت بے حس اور حد سے زیادہ اڑیل۔" وہ بھی عین انہی کے انداز میں بولی، نادانستہ طور پر ذلفی کا ہاتھ اٹھا اور ماہا کے گال پر طمانچے کا ایک زوردار وار ہوا، وہ کھڑے کھڑے لرز ہی تو گئی تھی، اس نے کبھی اس تھپڑ کی توقع بھی نہیں کی تھی، یہ حملہ اس کے رخسار پہ نہیں عین اس کے دل پہ تھا' وہ حیرت زدہ ہو کے دیکھتی رہ گئی تھی، آنکھیں پانیوں سے لبالب بھر گئی تھیں، ذلفی پھر رکے نہیں لمبے لمبے ڈگ بھرتے ان کے گھر سے چلے گئے' اور وہ راحلہ کے سینے سے لگ گئی تھی، ذلفی کی اس حرکت نے راحلہ کو بھی دکھ پہنچایا تھا، وہ خود شاک میں تھیں، انہوں نے کبھی ماہا پہ ہاتھ نہیں اٹھایا تھا' اور خودکشی کی اس ایک کوشش کے بعد وہ پہلے سے زیادہ ان کو عزیز ہو گئی تھی، وہ دیر تک راحلہ کی گود میں لیٹی آنسو بہاتی رہی۔

"کیوں کیا انہوں نے ایسا میرے ساتھ ممی کیوں؟"

وہ تمہاری محبت کو نہیں سمجھ سکتا ماہا! عمروں کا اتنا تضاد ہے تم دونوں کے بیچ، وہ کبھی نہیں مانے گا۔" راحلہ نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

میں ان کے بغیر مر جاؤں گی، میں نہیں جی پاؤں گی، نہیں... نہیں۔" وہ دیر تک روتی اور صرف یہی الفاظ دوہراتی رہی، روتے روتے اس کی حالت خراب ہو گئی، حتیٰ کہ جسم بخار سے پھنکنے لگا، راحلہ سے بیٹی کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

ساحر کی اچانک آمد نے راحلہ کو حیران اور کچھ پریشان کر دیا تھا، دراصل ان گزشتہ کچھ ہفتوں میں اس گھر میں جو بھی کچھ ہوا تھا ساحر اس سے بے خبر تھا۔ اس نے ماہا کو بہت فون کیے' لیکن اس کا موبائل

مسلسل آف تھا، اب تو اس کا اور ماہا کا ایک بھرپور رشتہ تھا اور اس رشتے کے تحت ہی وہ ماہا کی خیر خبر لے سکتا تھا' اس سے مل سکتا تھا۔

"السلام علیکم آنٹی!" وہ بولا۔

"وعلیکم السلام کیسے ہو بیٹا! گھر پہ سب خیریت؟ بیٹھو۔"

"گھر پہ تو سب خیریت ہے آنٹی، لیکن آپ لوگوں کی طرف سے کوئی خیر خبر نہیں تھی، ماہا نے بھی کوئی رابطہ نہیں کیا تھا' اور اس کا فون بھی بند تھا' مجھے تھوڑی تشویش ہوئی تھی۔" ساحر نے کہا۔

"بس بیٹا! ماہا کی ذرا طبیعت بہتر نہیں تھی اس وجہ سے وہ رابطہ نہیں کر پائی۔" راحلہ نے فوراً کہا۔

"اوہو، کیا ہوا ماہا کی طبیعت کو؟"

"بس بخار تھا اور فلو۔"

"کیا میں مل سکتا ہوں اس سے؟" وہ بولا

"نہیں مل سکتے، کیونکہ میں تم سے ملنا نہیں چاہتی۔" نجانے نے کہاں سے ماہا کسی طوفان کی طرح اُمڈ آئی تھی۔ بے انتہا غصے میں بھری ہوئی ساحر سے زیادہ راحلہ حیران رہ گئیں، وہ آج کل کی ماہا کی ذہنی حالت سے اچھی طرح واقف تھیں۔ اس لئے اس سے کچھ بھی توقع کی جا سکتی تھی۔

"ماہا بیٹا!" انہوں نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

"پلیز امی، مجھے کوئی لیکچر مت دیجئے گا اور ان موصوف کو بھی بہلانے اور ان سے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں، صاف لفظوں میں انہیں کہہ دیں مجھے ان سے شادی نہیں کرنی' اور جو منگنی تھی وہ ڈرامہ تھا' کیونکہ اس میں میری کوئی مرضی اور رضا شامل نہیں تھی۔" وہ بہت روانی میں بولی، اب کے شارق گردیزی کو زور کا جھٹکا لگا تھا۔

"کیا... کیا کہا؟ منگنی تمہاری مرضی سے نہیں ہوئی تھی؟"

"سنائی نہیں دیتا تمہیں، نہیں ہوئی تھی میری مرضی سے منگنی، نجانے کیوں میں نے مہر لگا لی تھی اپنی زبان کے اوپر، لیکن اب اور نہیں لگاؤں گی، مجھے اپنی زندگی برباد نہیں کرنی کسی سمجھوتے کے تحت چلے جاؤ میری زندگی سے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلے جاؤ۔" ماہا یہ کہتی تیزی سے واپس اپنے کمرے کی طرف چلی گئی اور شارق حیران و پریشان کھڑا دیکھتا رہ گیا۔

راحلہ بھی کچھ بولنے کی پوزیشن میں نہیں تھی، وہ بھی خاموشی سے ماہا کے کمرے کی طرف چلی گئی، شارق پھر مزید رکا نہیں بلکہ واپسی کے لئے چلا گیا۔

"تمہیں ساحر کے ساتھ اس لہجے میں ہرگز بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔" راحلہ کا لہجہ نادانستہ طور پر سخت ہو گیا تھا۔

"کیوں آیا تھا وہ یہاں؟ مجھے وہ بالکل پسند نہیں ہے' اور میں اس کے ساتھ کوئی رشتہ رکھنا نہیں چاہتی۔" وہ رو رو کے بے حال ہو رہی تھی۔ راحلہ نے اسے اور کچھ نہیں کہا، وہ چلی گئیں اور ماہا نے اپنا کمرہ لاک کر لیا۔

"ماہا دروازہ کھولو، ماہا بیٹا!" راحلہ مسلسل اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی، دو روز سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا' اور حد درجہ کمزوری ہو رہی تھی' اوپر سے صبح سے اس نے کمرے کا دروازہ مسلسل لاکڈ رکھا تھا، راحلہ کا پریشانی میں بہت برا عالم ہو رہا تھا، تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹہ انہوں نے دروازے پر کھڑے ہو کے گویا بیٹی کی منتیں کیں تب جا کے اس نے دروازہ کھولا۔

"ماہا... ماہا بیٹا! ایسا مت کرو، تمہاری ماں کے دل پہ کیا گزر رہی ہے تمہیں کس طرح سمجھاؤں؟ تم اٹھو سنبھلو اپنے کالج جاؤ تم پہلے کی طرح ہو جاؤ۔" راحلہ کی آنکھوں میں بے بہا آنسو تھے۔

"ممی میں کچھ نہیں کر پا رہی' میں نہیں سنبھل پا رہی، مجھے ذوالفقار کی محبت جینے نہیں دے رہی، میں ان کے بغیر مر جاؤں گی، یا تو مجھے مر جانے دیں، میں اس دل، دماغ اور روح کو کاٹ کے پھینک دینا چاہتی ہوں' جس میں اس سفاک اور خود غرض شخص کی محبت بس گئی ہے، مجھے اس کی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، وہ میری محبت کے لائق ہی نہیں... نہیں۔" وہ روتے روتے فرش پر بری طرح گری تھی اور بے ہوش ہو گئی تھی، مسلسل بھوک اور نقاہت نے اس کا حال برا کر ڈالا تھا، راحلہ ایک بار پھر بہت پریشان ہو گئی تھیں اور انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ ذوالفقار کے آگے اپنی اکلوتی بیٹی کی زندگی کے لئے گڑگڑائیں گی، ان سے بھیک مانگیں گی، جب وہ خدا کی ذات کے آگے اپنی بیٹی کی زندگی کے لئے گڑگڑا سکتی تھی تو پھر ذوالفقار احمد کیا چیز تھے؟ وہ ہرگز بھی کوئی مشکل نہیں تھے کہ جنہیں راضی نہ کیا جا سکے یا منایا نہ جا سکے، بہر طور وہ ایک آدمی ہی تھے۔

...☆☆☆...

اجنبی ہے تو میرے ذہن میں رہتا کیوں ہے
وہ جو پتھر ہے تو شیشوں کا مسیحا کیوں ہے

وہ ہوا ہے تو گزر جائے ہواؤں کی طرح

وہ سمندر ہے تو بہتا رہے ٹھہرا کیوں ہے

میرے آنگن میں نہیں کوئی امیدوں کا گلاب

پھر یہ موسم میرے آنگن میں اترتا کیوں ہے

جس کے چہرے پہ سبھی جھوٹ کی تحریریں ہیں

دل اسی شخص کے وعدوں سے بہلتا کیوں ہے

یہ میرا دل یہ معصوم سا انجان سا دل

پھر نجانے تیرے نام سے دھڑکتا کیوں ہے

ماہا کے لئے یہ بات اک خواب کی حیثیت ہی تو رکھتی تھی کہ آج رات اس کی شادی تھی ڈاکٹر ذوالفقار احمد کے ساتھ، نہ یہ کوئی خواب تھا' اور نہ کوئی تخیل کا لرزتا پیکر، یہ حقیقت تھی، کہ آج وہ سرخ جوڑے میں اپنا نازک و نفیس کمسن وجود چھپائے بیٹھی تھی' تو وہ ذلفی کی دلہن بن بیٹھی تھی، یہ اس کے شدت بھری ضد اور اکھڑ عشق ہی کا نتیجہ تھا کہ آج وہ اپنی منزل' اپنی چاہت پا رہی تھی، اس عشق کے علاوہ اگر کسی نے زور لگایا تو وہ اس کی ماں تھی، جو اپنی بچی کی ایسی حالت دیکھ نہیں پائی تھی' اور اس نے ذلفی کے آگے بہت منتیں کیں جس طرح اسے منا سکتی تھی اس نے منایا اور اس ضمن میں فرخندہ نے بھی اس کا بہت ساتھ دیا، طے یہ ہوا تھا کہ ٹھیک ہے شادی ہو گی' لیکن بہت سادگی سے اور شادی کے بعد ماہا ذلفی سے کسی قسم کی کوئی توقعات نہیں رکھے گی' اور نہ اس کی زندگی میں کسی قسم کی کوئی مداخلت کرے گی، ماہا نے تمام کی تمام شرائط آنکھیں بند کر کے مان لی تھیں اور نتیجتاً وہ آج ذلفی کی ہونے جا رہی تھی۔

ماہر بیوٹیشن کے کام نے اور ڈیزائنر کے لہنگے نے اسے پہلے سے زیادہ خوبصورت بنا ڈالا تھا' لیکن اس سے بھی زیادہ

خوبصورتی اس کے چہرے پر وہ قدرتی رونق تھی' جو اسے اس کے عشق نے عطا کی تھی، عشق کے حاصل ہونے کی چاہت نے عطا کی تھی، نکاح کے وقت اسے اپنی سماعتوں پر یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ حقیقتاً اس سے ذلفی کو بطور شوہر قبول کرنے کا پوچھا جارہا ہے ؟ اور اس کے ہاتھوں کے فقط ایک دستخط نے اس رشتے پہ پہلے سے بڑھ کر مضبوط مہر لگا دی، اس ایک دستخط نے اسے کچھ نہیں سے اٹھا کر سب کچھ بنا ڈالا تھا، اس کی سہیلیاں رشتہ دار ہم عمر لڑکیاں اسے مسلسل چھیڑ رہی تھیں' اور وہ ان کی چھیڑ چھاڑ سے لطف اندوز ہو رہی تھی، ایک دھیمی دھیمی مسکراہٹ مسلسل اس کے ہونٹوں پہ لرز رہی تھی۔

ذولفقار احمد کے لئے نکاح کا یہ وقت اور ہی طرح کے احساسات لے کر آیا تھا، کانٹوں کی طرح چبھ رہے تھے اسے یہ لمحات، وہ سدا کا تخیل کی دنیا میں زندہ رہنے والا انسان، آج اندر ہی اندر تڑپ رہا تھا، سٹپٹا رہا تھا' سلگ رہا تھا، بار بار آنکھوں کے آگے وہ پہلے نکاح کے لمحات آجاتے تھے کہ جس دن اس نے فائزہ کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا تھا اور وہ اپنے دل اور اپنی روح کی پوری کائنات اسے سونپ آیا تھا، وہ دن اسے کتنا خوبصورت اور دلفریب لگ رہا تھا اور آج کا دن اس کے لئے کتنا اذیت ناک تھا، اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اس طرح شادی کرے گا مجبوراً بے دلی سے کسی کی خاطر قربانی کے طور پہ۔

رشتے بے دلی سے نہیں جوڑے جاتے، دلوں کو باندھنے کے لئے کسی ظاہری قوت اور کسی نقلی طاقت کی ضرورت نہیں ہوتی، دل تو دل ہوتے ہیں، جو بنا کہے بنا سنے، بنا زور زبردستی کے آپس میں جڑ جایا کرتے ہیں، دھمکایا جاتا ہے، محبت نہیں کروائی جا سکتی۔

"دلہن آگئی، دلہن آگئی۔" کے شور نے اس کا دھیان اپنی طرف متوجہ کیا اور وہ فائزہ کے چھلاوے کے سحر سے باہر آیا۔

سامنے زرتار عروسی لہنگے کو تھامے آتا مسکراتا ملکوتی حسن سے بھرپور وجود ہولے ہولے اس کی طرف بڑھ رہا تھا، اس

کی بار بار چھلک پڑنے والی مسکراہٹ اور چہرے کی چمک اس کی فتح کی گواہ تھی اور اس کی یہ مسکراہٹ ذلفی کے تن بدن کو اور سلگا رہی تھی۔

اچانک ذلفی کی آنکھیں دھندلائیں اور ماہا کا وجود فائزہ کے چہرے میں بدل گیا، یہ کیا سامنے سے آتی سرخ لہنگے میں فائزہ تھی' جس کے چہرے پہ اپنی ازلی چمک اور مسکراہٹ تھی، فخر تھا، اسے اپنانے کا غرور تھا، وہ مبہوت و حیران سا اسے دیکھتا رہا، حتیٰ کہ وہ عین اس کے پہلو میں آ گئی کزن نے ماہا کا ہاتھ اٹھا کے ذوالفقار کے ہاتھ میں دے دیا اور ماہا کے انگ انگ میں گویا اک برقی لہر دوڑ گئی، اک نئی احساس نے اس کے تن بدن کو جکڑ لیا اور ذولفقار احمد نے آج برسوں بعد فائزہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے زندہ و سالم دیکھا تھا۔

نجانے یہ کیا کہانی تھی

ایک نے عشق میں اپنا آپ کھویا تھا

دوسرے نے عشق میں اپنے محبوب کو پایا تھا

ایک جیت کر بھی ہارا تھا

دوسرا ہار کر بھی جیتا تھا

عشق دراصل ہار اور جیت سے ماوری ہوتا ہے، عشق دراصل یا تو دونوں کی جیت ہوتا ہے یا پھر دونوں ہی کی ہار۔

...☆☆☆...

گاڑی ذوالفقار احمد کے گھر کے کارپورچ میں رکی تھی' اور وہ بنا کچھ کہے، بنا کچھ سنے گاڑی سے اتر کر مرے مرے قدموں سے اندر چلے گئے تھے، ماہا جو کہ عروسی لباس میں دلہن بنی آگے بیٹھی تھی اور حیران سی دیکھتی رہی، راستہ بھر بھی وہ گاڑی اس طرح چلاتے رہے تھے' جیسے کہ وہ اکیلے ہوں اور وہاں کوئی اور موجود ہی نہ ہو سرے سے اور ماہا کے لئے یہ سب بہت دکھی کر دینے والا اور اذیت ناک تھا، اب جو وہ اسے اکیلا یوں گاڑی میں چھوڑ گئے تھے تو یہ اسے تضحیک آمیز لگا، وہ نئی نویلی نوبیاہتا دلہن تھی، اوّل تو اس کا بہترین استقبال ہونا چاہیے تھا' اس کی راہ میں پھول بچھنے چاہئیں تھے' لیکن اگر وہ سب نہیں تھا' تو کم از کم اس کا ہاتھ تھام کے ذلفی خود تو اسے اندر لے جاسکتے تھے، اتنا تو کسی اجنبی کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے وہ تو پھر ان کی بیوی تھی، نئی نویلی بیوی۔

ذلفی کی اس پہلی بے اعتنائی نے آنکھوں کو بے شمار آنسو دے ڈالے تھے' اور وہ جو رخصتی کے وقت بھی نہیں روئی تھی، زار و قطار رونے لگی، نجانے کتنی صدیاں اسے اس طرح روتے ہوئے بیت گئیں اور پھر اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی وہ فرخندہ بی تھیں' جنہوں نے اس کی طرف کا دروازہ کھولا تھا۔

"دلہن بی بی آئیں اندر آئیں۔" اس نے سنا۔

"روئیں نہیں دلہن بی بی! آئیں آپ اپنے ہی گھر لکھ بسم اللہ سو سو واری بسم اللہ۔" فرخندہ بی نے اس کو پکڑ کے گاڑی سے اتارا اس کے آنسو تھم گئے اور پھر فرخندہ بی اسے پکڑ کر گھر کے دروازے تک لے آئی۔

"اب ایک منٹ رکیں دلہن بی بی، میں ابھی آئی۔" فرخندہ بی کچھ دیر بعد آئی تو ہاتھ میں قرآن پاک تھا۔

"اب آپ اندر آئیں اس کی چھاؤں میں۔" اس وقت ایک ملازمہ کی اپنائیت بھی بے مثال محسوس ہو رہی تھی، وہ اندر آگئی، قرآن پاک کی عظیم چھاؤں میں۔

"دودوں نہاؤ پوتوں پھلو، سدا سہاگن تے بھاگ بھری رہو دلہن بی بی۔" فرخندہ بی کے ہونٹوں سے دعائیں ہی دعائیں نکل رہی تھیں اور پھر وہ ہولے ہولے قدموں سے فرخندہ بی کے ساتھ چلتی ہوئی اوپر ذلفی کے کمرے میں آئی وہی

کمرہ جو اس کے لئے مانوس تھا اور جس کی بے رنگی پہ اس نے ایک تفصیلی نظر ڈالی تھی، فرخندہ نے اسے اسی بے رنگ بستر پہ بٹھایا۔

"آپ نے کچھ کھایا ہے دلہن بی بی؟ یا کھانا لے آؤں؟"

"نہیں مجھے بھوک نہیں بس پانی لا دیجئے۔" وہ بولی فرخندہ بی چلی گئیں، واش روم سے مسلسل شاور چلنے کی آواز آ رہی تھی اور پھر وہ آواز معدوم ہوئی اور ذلفی کچھ دیر بعد باہر آئے، وہ گردن جھکا کے اپنے آپ میں سمٹ کے بیٹھ گئی، ذلفی اس کے پاس آنے کے بجائے باہر گئے، باہر سے ان کی سفاک آواز آئی۔

"فرخندہ بی آپ کو بولا تھا ناں کہ محترمہ کو گیسٹ روم دیجئے گا یا اسٹڈی روم انہیں' پکڑ کے آپ نے میرے بیڈ پہ بٹھا دیا۔" اس ایک جملے کی سفاکی نے ماہا کو دیر تک رلایا۔

رات بھر نہ کمرے میں ذلفی آئے اور نہ ماہا کو نیند آئی، وہ یہاں سے وہاں، وہاں سے یہاں کروٹ بدلتی اور روتی رہی۔

خزاؤں کی اداسی ہے جو اب تک دل پہ چھائی ہے
بہاروں کا حسیں موسم کہیں سے ساتھ لانا تم
یہ مانا اور بھی تم کو جہاں میں ہیں بہت سے غم
مگر دنیا کے میلوں میں ہمیں مت بھول جانا تم
اگر تم سے کبھی کوئی میرے بارے میں پوچھے تو
فقط اتنی سی خواہش ہے مجھے اپنا بتانا تم

صبح وہ اٹھی، اس نے اپنے عروسی دوپٹے کو اپنے وجود سے نوچ کے پھینک دیا اور نہا دھو کے ایک ہلکا پھلکا سا لان کا سوٹ پہن لیا، صبح کے دس بج رہے تھے، وہ کمرے سے نکلی اور سیڑھیاں اترتی کچن کی جانب آنے لگی گو کہ اس کا دل

بہت بوجھل تھا' لیکن ساتھ ہی مطمئن تھا کہ اس نے وہ سب پالیا ہے جو کہ چاہا تھا یا جس کی تمنا کی تھی' اور اسے یقین تھا کہ اس کی محبت، چاہت اور بے انتہا وفا ذوالفقار کو تبدیل کرلے گی' اور وہ اپنے شوہر کے دل کو تسخیر کرلے گی، مرد تو یوں بھی مرد ہوتا ہے اور نکاح کے دستخط میں بہت طاقت ہوتی ہے، جہاں یہ عورت کو زندگی بھر کے لئے محبت کے حصار میں جکڑ لیتا ہے، وہیں پہ مرد کے دل میں بھی بیوی کے لئے بے انتہا محبت ڈال دیتا ہے، سو ماہا خوفزدہ، ہراساں اور پریشان نہ تھی، بلکہ مطمئن تھی، کچن میں آئی تو فرخندہ بی کو ناشتہ بناتے دیکھا۔

''سلام دلہن بی بی!'' فرخندہ نے مسکرا کے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام فرخندہ بی! کیسی ہیں آپ۔ کیسی ہیں آپ۔'' ماہا نے بھرپور انداز میں مسکرا کے جواب دیا۔

''میں ٹھیک، آپ کے لئے ناشتہ بنا دوں؟''

''میں ذلفی کے ساتھ ناشتہ کروں گی، وہ کس وقت کرتے ہیں۔'' ماہا نے کہا۔

''صاحب تو صبح ہی ناشتہ کر کے چلے گئے تھے۔'' فرخندہ کے جواب سے ماہا کا چہرہ بجھ سا گیا۔

''کہاں گئے ہیں؟'' اس نے خود پہ ضبط کر کے پوچھا۔

''یونیورسٹی گئے ہیں۔'' فرخندہ نے عام سے لہجے میں جواب دیا۔

''تو آپ ایک دن بھی اپنے نئی نویلی دلہن کے ساتھ گزار نہ سکے۔'' دل میں ایک ٹیس سی اٹھی، کئی لمحے وہ اپنے آنسو اپنے ہی اندر بہاتی رہی، لیکن بہر طور خود کو سنبھالنا تو تھا ہی۔

'' یہ کس کا ناشتہ بنا رہی ہیں آپ؟'' اس نے موضوع گفتگو بدلنے کی کوشش کی۔

''یہ ارسلان بابا کا ناشتہ ہے۔'' فرخندہ نے ٹوسٹر سے ابھر کے اٹھے ٹوسٹ پلیٹ میں ڈالے اور آملیٹ اتارا۔

''مجھے دیں فرخندہ بی میں ناشتہ لے جاتی ہوں ارسلان کے کمرے میں۔'' ماہا نے ٹرے پکڑی۔

''لیکن دلہن بی بی... ارسلان بابا... غصے کے... ذرا سے تیز ہیں۔'' فرخندہ نے ٹھہر ٹھہر کے کہا، ماہا نے اک

ٹھنڈی آہ بھری۔

"کوئی بات نہیں فرخندہ بی مجھے عادی ہونا پڑے گا ان تمام باتوں کا، آگ میں کودنے کی شرط میری اپنی تھی، کسی نے مجھے زبردستی نہیں پھینکا تھا۔" وہ خود اذیتی کے مراحل سے گزر رہی تھی۔

فرخندہ اس کے معصوم چہرے کی طرف دیکھتی رہی، جس پہ کرب اور تکلیف کے شدید آثار تھے، ایک ہی رات نے اس انیس برس کی لڑکی کو بوڑھا بنا ڈالا تھا، آنکھوں کا درد، چہرے کی اذیت اور بے پناہ تفکر اسے پچپن ساٹھ برس کی بڑھیا دکھا رہے تھے۔

"میرا ناشتہ بھی اوپر ہی لے آئیے فرخندہ بی۔" وہ صرف اتنا کہہ کر ارسلان کے ناشتے کی ٹرے اٹھا کر کچن سے باہر چلی گئی اور کئی لمحوں تک فرخندہ اس بھولی سی بچی کو دیکھتی رہی، جو اپنی تمام کی تمام کشتیاں جلا کر اس ان دیکھی کانٹوں بھری دلدل میں کود پڑی تھی۔

پھر وہ دروازے کو ہلکا سا دھکا دے کر اندر آ گئی، ارسلان بیڈ پہ بیٹھا تھا اور سامنے ٹی وی چل رہا تھا، ارسلان ابھی تک شب خوابی کے لباس میں ملبوس تھا' اور شاید منہ دھوئے اور برش کئے بغیر ہی بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا، بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پہ پیپسی کا کین رکھا تھا، یعنی کہ وہ نہار منہ پیپسی کا مزہ لے چکا تھا۔

وہ اندر آ گئی۔ ارسلان نے ایک اچٹتی غیر دلچسپی بھری نگاہ اس پہ ڈالی اور دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"السلام علیکم! میں ماہا ہوں ہماری پہلی ملاقات گزشتہ رات ہال میں ہو چکی ہے۔" اس نے بیڈ پہ ناشتے کی ٹرے رکھی اور اپنا ہاتھ بڑھا کے مسکرا کے بولی، ارسلان نے کوئی جواب نہیں دیا گویا اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو، ماہا نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"میں آپ کے لئے ناشتہ لے کر آئی ہوں، مزیدار آملیٹ اور ٹوسٹ۔" ماہا نے اس کی بے رخی کو نظر انداز کیا۔

"کیوں فرخندہ بی مر گئی تھی کیا؟" ارسلان نے کاٹ دار لہجے میں کہا ماہا لرز سی گئی۔

"میں نے خود فرخندہ بی سے کہا کہ مجھے ارسلان کے ساتھ ناشتہ کرنا ہے۔" اس نے اپنا نرم لہجہ برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ میرے باپ کے لئے آئی ہیں یہاں، بڑھاپے میں اپنے لئے نوجوان گڑیا لے کر آئے ہیں، شرم بھی نہیں آئی انہیں، آپ کا رشتہ انہی سے ہے اور انہی سے رشتہ بنائے رکھنے کی فکر کریں آپ، آئی بات سمجھ میں۔" وہ انتہائی بدتمیزی سے بولا، ماہا کے دل پہ ایک کے بعد ایک وار ہو رہا تھا۔

"اسی رشتے کے توسط سے ہی سہی، میرا تم سے بھی تو رشتہ بنتا ہے اور اس رشتے کے اعتبار سے میں تمہاری ماں ہوئی ناں۔" ماہا نے کہا۔

"Mind you میری ماں مر چکی ہے اور میرا تم سے کوئی رشتہ نہیں ہے' شکل اور باتوں سے تو بہت چالاک لگتی ہو، شاید اسی لئے بوڑھے کو پھنسا لیا ہے۔" اب کے ارسلان کا وار عین ماہا کے دل پہ لگا' اور پل میں اس کی آنکھیں چھلک پڑیں، یہ لہجہ اور یہ رویہ اس نے پہلے نہ تو کبھی سنا تھا اور نہ برداشت کیا تھا۔

"کچھ بھی کہنے سے پہلے سوچ لو، میں تم سے یا تمہارے والد سے کچھ چھیننے نہیں آئی، تم لوگوں کا، تمہارے گھر کا حصہ بننے آئی ہوں اور ماں کا لفظ اتنا تحقیر آمیز نہیں ہوتا کہ تم یوں مجھے ذلیل کرو، بیٹا ہی کہا ناں تمہیں کچھ اور تو نہیں کہا ناں، مجھے نہیں پتہ تھا محبتوں کی یہ سزا ملے گی مجھے۔" وہ روتی ہوئی کہنے لگی اور پھر اٹھ کے چلی گئی۔

ارسلان نے ناشتے کی ٹرے کو زور کا پاؤں مارا، آملیٹ اور ٹوسٹ دور قالین پہ جا کے گرے تھے اور پھر وہ دیر تک منہ ہی منہ کچھ بڑبڑاتا رہ گیا تھا۔

...☆☆☆...

"کہاں چلی گئی ہو تم ... کہاں ... مجھے اس بھری دنیا میں اکیلا چھوڑ کر۔" وہ اپنے گھر کے پائیں باغ کے عین درمیان میں کھڑا تھا' اور شدت سے اسے فاطمہ اور بچوں کی یاد آ رہی تھی۔

اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ اس کے دوست کی موت نے ایک نئے احساس کو اس کے دل میں جگہ دی تھی' اور اس احساس نے اسے اندر سے اتنا تبدیل کر لیا تھا' اس کی زندگی کو اس قدر بدل دیا تھا' کھلتے پھولوں' چمکتے ستاروں، مہکتی صبحوں شاموں کا رنگ و روپ ہی بدل دیا تھا۔

محبت نے دل پہ اک دستک دی تھی اور اس ایک دستک نے زندگی کی معنی بدل دیئے تھے۔ نجانے کیا ہے یہ محبت؟ کبھی کبھی کسی سے ہم محبت کے دعوے کرتے نہیں تھکتے،اسے بار بار کہتے اور لکھتے رہتے ہیں کہ مجھے تم سے محبت ہے... محبت ہے... محبت ہے...اور پھر یکایک ہمارے سامنے محبت اک نئے معنی لے کر ایک نیا بہروپ اوڑھ کر اور اک نیا احساس لے کر دل کے اندر زبردستی آ کے بیٹھ جاتی ہے۔ ہم اسے پہچاننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اسے تسلیم کرنے سے منکر ہو جاتے ہیں،وہ چیخ چلا کے کہتی ہے کہ میں محبت ہوں... میں محبت ہوں... جو پہلے تھا وہ بہروپ تھا... دھوکہ تھا... چھلاوا تھا... تمہارے احساس کی بھول تھی... وہ محبت نہیں تھی... میں ہوں محبت۔

ہم مزاحمت کرتے ہیں،انکار کرتے ہیں،دلیلیں،دعوے،نظریات، آرگیومینٹس،نہیں محبت تو نہیں، محبت بار بار نہیں ہوتی،یہ ایک ہی بار پڑھا جانے والا سبق ہے،ایک ہی بار جسم کے اندر داخل ہونے والا لہو ہے،یہ زندگی کی قیمت نہیں کہ جس کی قسط بار بار ادا کرنی پڑے۔

ہمارے انکار کا،ہماری دلیلوں کا،ہمارے دعوؤں کا بھی اس پہ کوئی اثر نہیں ہوتا اور یہ ایندھن بن کے ہماری رگ رگ کو سلگاتی رہتی ہے ہم جتنی ٹھوکر مارتے ہیں یہ اتنی ہی شدت سے ہم سے لپٹ جاتی ہے چمٹ جاتی ہے اور بالآخر یہ جیت

جاتی ہے،اس کی شدت کسی آسیب کی طرح ہم سے چمٹ جاتی ہے اور دل کی دنیا کو ویران کھنڈروں میں تبدیل کر دیتی ہے۔

بھوک، پیاس، محفل کی رونقیں، مسکراہٹیں، ہنسی، شوخی، شرارت، ہم سے روٹھ جاتی ہے ہونٹوں پہ گیت ہوتے ہیں تو درد کے، لبوں پہ ہنسی آتی ہے تو تمسخرانہ، دل میں خیال آتے ہیں تو باغیانہ، زندگی بدل جاتی ہے، زندگی کے معنی بدل جاتے ہیں، دل کی دنیا بدل جاتی ہے، دل کی دنیا کے دستور بدل جاتے ہیں، آنکھ جھپکنے میں اپنے بنائے سب اصول ٹوٹ جاتے ہیں، سمندر کنارے جوڑے کچے گھروندوں کی خاطر ہم اپنے پکے گھر، محل گلیاں محلے اور گھر کے لوگ تک چھوڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں، نجانے کیسا کھیل ہے یہ محبت' نجانے کیسی بازی ہے، ہارو بھی تو بازی مات نہیں اور جیت گئے تو کیا کہنے؟ اور پھر شارق گردیزی یہ بازی ہار گیا تھا۔

وہ ماہا حسن کو حاصل کرتے کرتے کھو بیٹھا تھا، جس طرح ایک سفاک صبح اس کے گھر انگوٹھی اور منگنی کا شگن لوٹایا گیا تھا اسی طرح دوسری سفاک صبح اس کے گھر ماہا کی شادی کا کارڈ بھی آگیا تھا، وہ کتنی دیر کاغذ کے اس بے درد ٹکڑے کو لے کر کھڑا رہا، ماؤف ذہن کے ساتھ اسے دیکھتا رہا' کئی بار اسے ذوالفقار احمد کے نام کی جگہ شارق گردیزی لکھا نظر آیا، لیکن یہ فقط اس کی آنکھوں کا فریب تھا، منگنی کے کارڈ میں اس کا نام ضرور تھا لیکن شادی وہ کسی اور سے کر رہی تھی۔

بہت خوش نصیب تھا وہ جو اس پری پیکر کے عشق کا حقدار ٹھہرا تھا، وہ دیر تک خلا میں آنکھیں ٹکائے ذوالفقار احمد کو رقابت کے جذبات کے ساتھ سوچتا رہا تھا اور شادی کے روز بھی وہ صرف اسی رقیبہ کا دیدار کرنے گیا تھا، ماہا کو، راحلہ کو، خود اس کے والد کو توقع نہ تھی کہ وہ اس شادی میں جائے گا، لیکن وہ بہت بہادری کا مظاہرہ کرتا اس شادی میں گیا اور محفل میں اپنی مسکراہٹیں نچھاور کرتا رہا اور ذوالفقار احمد کو دیکھ کے رقابت کا جذبہ ہوا کے بلبلے کی مانند تحلیل ہو گیا، وہ اس کے والد کی عمر کا شخص کس طرح سے اس کا رقیب ہو سکتا تھا' اور پھر اس کا چہرہ گواہ تھا کہ وہ ہرگز اس شادی سے خوش نہیں زہر کے گھونٹ کو زم زم سمجھ کے

برداشت کر رہا ہے، دراصل اندر ہی اندر گھل رہا، ختم ہو رہا ہے اور اس کے برعکس ماہا بہت خوش تھی کیونکہ وہ کمسن اور کم عمر تھی اور بے خبری اور انجانے پن کی چادر میں لپٹی فقط اچھے دنوں کی تمنائی تھی اسے لگتا تھا کہ محبت ایک جادو کی چھڑی ہے جو پھیر دینے سے پتھر کا دیوتا محبت کے فرشتے میں تبدیل ہو جائے گا لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔

کوئی جادو کی چھڑی کبھی کسی پتھر کے بت کو محبت کا فرشتہ بنا نہیں پائی، محبت تو محبت ہے جو کہ سفلی علم ہر گز نہیں' بلکہ آب حیات ہے، جو کسی کسی کے ہی نصیب میں آتا ہے' اور کوئی کوئی ہی اس کا جام نوش کر سکتا ہے، کسی کسی کو ہی زندگی مل سکتی ہے۔

ماہا نے کمسنی میں بے خبری میں ایک کھیل کھیلا تھا' اور یہ وہ عمر ہوتی ہے کہ جب حقیقتاً ہار یا جیت کی کوئی پروا نہیں ہوتی، بس کھیل کھیلا جاتا ہے۔

آج بہت دنوں بعد شارق گردیزی کان میں آئی پوڈ کے پلگ لگائے ساحل سمندر آیا تھا' اور راحت فتح علی کی خوبصورت دھنوں پہ رقص کرتی لہروں کو دیکھ رہا تھا دیر تک سفید جھاگ اڑاتی لہریں "توسے نیناں لاگے پیا سانورے" کی دھن پہ جھومتی، لہراتی اور پتھروں سے سر ٹکراتی رہیں وہ موسیقی اور فطرت کے اس فرضی سنگم سے لطف اندوز ہو رہا تھا، کہ جب اس کے پاس سے جانی پہچانی مہک کا گزر ہوا اور ایک فیروزی دوپٹہ اس کے پاس ہی سے لہرا کے سیڑھیاں اترنے لگا۔

یہ ماہا حسن تھی، وہ یقیناً دھوکہ نہیں کھا رہا تھا، وہ دھوکہ کھا بھی کیسے سکتا تھا، اس خوشبو نے اسے لمحوں میں اپنا دیوانہ بنا ڈالا تھا' اور وہ پل اس مہک کے آگے اپنا سب کچھ ہار بیٹھا تھا۔

ہاں یقیناً یہ ماہا حسن ہی تھی، جو اب ساحل کی سیڑھیاں اتر کے لہروں کی طرف اداس اور دھیمے قدم اٹھائے جا رہی تھی،

اس کا دوپٹہ لہرا کے فضا سے باتیں کر رہا تھا، شارق کے لئے یہ کھیل اب اور بھی دلفریب ہو گیا تھا، موسیقی، سمندر کی لہریں اور ماہا کا آنچل، ایک ہی لے پہ رقص کرنے لگے اور ساری فضا "دھاگے توڑ لاؤ چاندنی سے نور کے" کی بیٹ پہ رقص کرنے لگی، وہ ختم ہوا تو "جان رے جان لے حال دل" کی دھن کا آغاز ہوا اور پھر یہ دلفریب کھیل دیر تک کھیلا جاتا رہا، وہ مسکرا کے اس کھیل سے لطف اندوز ہو تا رہا، حتیٰ کہ ماہا ساحل پہ بنی سیڑھیوں پہ اداسی کی چادر لپیٹے بیٹھ گئی اور وہ بھی چند قدم چل کے عین اس کے پاس بیٹھ گیا، وہ پل بھر چونکی، پھر شناسا چہرہ دیکھ کر مطمئن ہو گی۔

"شارق گردیزی کہتے ہیں مجھے، امید ہے کچھ کچھ یاد ہو گا؟"

وہ اوّل دن کی طرح کی مسکراہٹ سجائے ہوئے بولا، وہ حیران ہوئی کیونکہ وہ اس کے ساتھ اتنا کچھ کر چکی تھی کہ اس کے بعد یہ اپنائیت اور یہ برتاؤ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

کیسے ہیں آپ شارق؟" وہ اپنی خجالت اور افسوس چھپاتے ہوئے بولی' کیونکہ وہ جو بھی کچھ کر چکی تھی، آج وہ اس کے" لئے شرمندگی اور افسوس کا باعث تھا۔

ہمیشہ کی طرح ویسا ہی، ہنستا، کھلکھلاتا، مستیاں کرتا، روز صبح شام بیچ پہ آتا ہوں اور لہروں سے ڈھیر ساری باتیں کرتا" ہوں، اس طرح میرے پھیپھڑے کچھ تازہ ہوا میں سانسیں بھی لے لیتے ہیں' اور میں بھی آسمان اور سمندر کی وسعتیں دیکھ کر "اور تم اللہ کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے" کا ورد کرتا ہوں۔ وہ بہت زندہ دلی سے گویا ہوا، ماہا کو اس کی خوشدلی پہ، اس کی مسکراہٹوں پہ رشک آیا، ان چند مہینوں میں وہ تو اپنی ہنسی تک کھو چکی تھی۔

اور کیسے ہیں آپ کے ڈاکٹر ہزبینڈ؟"شارق نے پوچھا۔ "

بالکل ٹھیک ٹھاک پرفیکٹ۔" اس نے پھیکی سی ہنسی ہنسنے کی کوشش کی اور اسی ہنسی نے اس کی چغلی کھائی۔"

لگتا ہے بہت مصروف ہیں، آپ کے لئے وقت نہیں ان کے پاس کلینک، ہاسپٹل، یونیورسٹی، ڈاکٹرز تو کام کرنے کی" مشین ہوتے ہیں۔" شارق کی بات پہ اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

نہیں ہمارا کیس الگ ہے، میں ان سے زیادہ مصروف ہوتی ہوں کیونکہ میں میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہوں، ویسے بھی وہ آج کل ڈاکٹرز ایسوسی ایشن کی میٹنگ کے لئے ملائیشیا گئے ہیں اگر وہ یہاں ہوتے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میں اکیلی یہاں آتی۔" ماہا کو اپنے جھوٹ پہ خود ہی ہنسی آئی۔

"حیرت ہے اور خوشی بھی کہ آج کل تو ہم عمر لوگ بھی Mental compatability نہیں رکھ پاتے، اگر آپ کے اور ڈاکٹر صاحب کے درمیان اتنی انڈر اسٹینڈ نگ ہے تو واقعی بہت اچھا ہے۔" شارق نے کہا۔

"محبت اور انڈر اسٹینڈ نگ کے لئے عمروں کی کوئی شرط نہیں ہوتی۔" اس نے وہی جملہ دوہرایا' جو گئے دنوں میں وہ خود سے کہہ کر خود کو بہلایا کرتی تھی۔

"چلتی ہوں میں گھر اکیلا ہے۔" وہ یہ کہہ کر اٹھی اور انہی ہولے اور اداس قدموں سے چلتی چلتی چھوٹی سی آلٹو کی طرف گئی اور اسے خود ڈرائیو کر کے آگے بڑھ گئی۔

"بہت جھوٹ بولتی ہو ماہا حسن، بہت... خود فریبی کی انتہا پر ہو، تم نے میری محبت کو ٹھکرایا ہے اور تم محبت تلاشتی تلاشتی میرے ہی پاس آؤ گی۔" وہ کمال یقین سے بولا اور دوبارہ I-pod کے پلگ لگا کے چٹکیوں پہ گنگناتا آگے بڑھنے لگا۔

...☆☆☆...

جانی واکر کی خالی بوتل کونے میں ڈگمگا رہی تھی اور ڈاکٹر ذلفی اسے پوری طرح اپنے اندر اتار چکا تھا، سامنے فائزہ کی قد آدم تصویر تھی' اور آج بھی وہ روز کی طرح اس انتظار میں تھا کہ فائزہ کے بے جان پتلے میں جان آئے گی' اور وہ تصویر کی سیڑھیوں سے اتر کے اپنی سرخ ساڑھی کے ہمراہ اس کے عین سامنے آ کے بیٹھے گی، پھر وہ رات بھر پیار کی باتیں کریں گے، ہنسیں گے، بولیں گے اور صبح کی روشنی ہونے سے پہلے ہی وہ پھر ایک پورے دن کے لئے ایک دوسرے

سے الگ ہوں گے۔

وہ ڈبڈبائی، لرزتی، بند ہوتی آنکھیں تصویر پہ گاڑے ہوئے تھے کہ جب ماہا ان کے کمرے میں داخل ہوئی، وہ بھی سرخ رنگ ہی کے لباس میں ملبوس تھی اور چہرے پر اپنے شوہر کے لئے بے پناہ پیار تھا وہ ان کے سامنے جا کے بیٹھ گئی۔

"کیوں آئی ہو تم یہاں؟" وہ لڑکھڑاتی زبان سے سوال کرنے لگے۔

"میں آپ کی بیوی ہوں اور میں آپ کو اس طرح اکیلا یہ زہر پینے کے لئے نہیں چھوڑ سکتی۔" وہ بولی۔

"نہیں ہو تم میری بیوی... فائزہ... وہ... وہ ہے میری بیوی میری محبت... اور تم اس کے اور میرے بیچ میں نہیں آ سکتیں۔" وہ اسے اپنے آگے سے ہٹانے لگے۔

"میں نہیں آئی ان کے اور آپ کے بیچ، مجھے نہیں چھیننا ان کو آپ سے میں صرف یہ کہنے آئی ہوں کہ مردہ انسان کے پیچھے آپ کسی زندہ انسان کی زندگی تو نہ برباد کریں۔ وہ ملتجی تھی، اس نے ذوالفقار کی باہوں میں اپنا وجود گرا دیا، ذلفی نے پٹخ کے اسے زمین پہ پھینک دیا، اس کا سر دیوار سے ٹکرایا اور اک گہرا نشان چھوڑ گیا، وہ وہیں کونے میں پڑی سسکتی رہی۔

کتنی صدیاں درمیان سے گزر گئیں، درد قطرہ قطرہ سر کے بعد پورے جسم اور پھر دل اور پھر روح میں منتقل ہونے لگا، اس وقت اسے اپنا ہر خواب، ہر خواہش اور محبت کا تمام طلسم جھوٹا لگا، بے بنیاد اور فریب لگا، محبت نام کی کوئی شے اس دنیا میں نہیں ہوتی، جو ہوتا ہے وہ دھوکہ ہوتا ہے... چھل... پامالی ہوتی ہے۔

ہر انسان اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے ایک بیکار جذبہ پالتا ہے اور اسے محبت کا نام دیتا ہے، تم نے بھی یہی کیا ماہا حسن، تم نے بھی فقط اک حادثے کو عشق کا نام دیا، اک دلچسپی کو محبت ٹھہرایا، اک پسندیدگی کو زندگی کا حاصل، محبت کوئی ضد نہیں ہوتی، جسے بندوق کی نوک پہ منوایا جائے، کوئی زبردستی، کوئی زیادتی نہیں ہوتی، کوئی خوف، کسی ڈر کی گولی

نہیں ہوتی، نہیں ہوتی تو نہیں ہوتی، ہوتی ہے تو پھر حقیقتاً ہوتی ہے۔

وہ دیر تک سسکتی، بلکتی اور تڑپتی رہی، پھر اس نے ذلفی کو اپنے قریب آتے دیکھا، وہ اپنے دونوں ہاتھ اس کے کندھے پہ رکھ کے اسے اٹھا رہے تھے، ماہا کے دل میں خوشی کی اک رمق پھوٹی، کوئی ہمارے ساتھ برا کرے تو اس کے برا کرنے کا جتنا دکھ ہوتا ہے، اس سے بڑھ کر خوشی تب ہوتی ہے کہ جب اسے احساس ہو جائے کہ اس نے ہمارے ساتھ برا کیا ہے اور وہ نادم ہو، ماہا کو بھی اسی خوشی نے کچھ دیر گھیرے رکھا، پھر ذوالفقار نے کوئی نام پکارا... "فائزہ" اور اس نام نے اس موہوم سے خوشی کے احساس کو اک بے نام کرب میں بدل دیا، ذلفی اس کے بعد بے خبر رہے۔

ان کے سامنے پھر وہ نہیں فائزہ تھی، اس کے بعد انہوں نے جو کچھ کیا وہ فائزہ کے ساتھ کیا اور حقیقتاً اس رات ماہا کے جسم کا ناتا اس کی روح سے ٹوٹ گیا تھا۔

وہ تہی داماں ہو گئی تھی، پامال ہو گئی تھی، وصال رت کی یہ پہلی دستک ہی سرزنش ہے کہ ہجر موسم نے رستے رستے سفر کا آغاز کر لیا ہے، تمہارے ہاتھوں کا لمس جب بھی میری وفا کی ہتھیلیوں پر حنا بنے گا تو سوچ لوں گی، رفاقتوں کا سنہرا سورج غروب کے امتحان میں ہے، ہمارے باغوں سے گر کبھی تتلیوں کی خوشبو گزر نہ پائے، تو یہ نہ کہنا کہ تتلیوں نے گلاب رستے بدل لئے ہیں، تمہاری خواہش کی مٹھیاں بے دھیانیوں میں کبھی کھلیں تو یقین کرنا کہ میری چاہت کے جگنوؤں نے تمہارے ہاتھوں کا لمس تازہ کی خواہشوں میں بڑے گھنیرے اندھیرے کاٹے، مگر یہ خدشے یہ وسوسے تو تکلفاً ہیں، جو بے ارادہ سفر پہ نکلیں تو یہ تو ہوتا ہے یہ تو ہو گا، ہم اپنے جذبوں کو منجمد رائیگانیوں کے سپرد کر کے یہ سوچ لیں گے کہ ہجر موسم تو وصل کی پہلی شام سے ہی سفر کا آغاز کر چکا ہے۔

...☆☆☆...

روشین کی زندگی کو گویا اک سہارا مل گیا تھا، اس نے نازیہ کے بچے کو گود لینے کا سوچا تھا تو جیسے زندگی کو اک نئی سمت

مل گئی تھی، اس سے پہلے اپنا بچہ کھو کر جس ادھورے پن نے اسے گھیر لیا تھا، اب وہ ادھورا پن مٹ گیا تھا، اس سے قبل اس نے باغبانی میں مصوری میں اور طرح طرح کے مشغلوں میں خود کو مصروف رکھنے کی بھرپور کوشش کی، لیکن کوئی بھی مشغلہ اسے مطمئن نہیں کرپایا' اور یہ ایک نیا مقصد گویا زندگی کا حاصل بن گیا تھا۔

وہ نازیہ کا خیال رکھ رہی تھی، اسے دودھ پلانا، دوائیاں کھلانا، اس کے وزن کا، بچے کی صحت کا خیال رکھنا، اس کا ریگولر چیک اپ، گھر پہ اس نے دوسری ملازمہ وقتی طور پر رکھ لی تھی' اور نازیہ کو اس نے اپنے ہی گھر کے کوارٹر میں وقتی طور پر ٹھہرادیا تھا، گو کہ یہ سب کچھ تھا تو بہت عجیب' لیکن اس کے لئے بہت مطمئن کر دینے والا تھا، راحیل ابھی تک اس حقیقت کو تسلیم نہیں کر پا رہا تھا۔

"یہ کیسی بیوقوفی ہے روشین؟ یہ کس قسم کا پاگل پن ہے؟ تم کیا کر رہی ہو؟" راحیل اس کی حرکتوں سے گویا زچ آگیا تھا۔

"کیا مطلب کیا کر رہی ہوں؟ میں تمہیں بتا چکی ہوں راحیل کہ میں نازیہ کا بچہ اڈاپٹ کر رہی ہوں۔" وہ بولی۔

"بے وقوفی ہے یا دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا کیا کہیں گے لوگ ہم نوکروں سے بچے گود لیتے ہیں۔" وہ بھڑکا۔

"تو کیا نوکر انسان نہیں ہوتے؟ یا نوکروں کے بچے مالکوں کے قابل نہیں ہوتے؟ کیا اللہ پاک اولاد عطا کرتے ہوئے پوچھتا ہے کہ یہ میں مالک کے گھر بھیجوں یا نوکر کے؟ جب اس نے کوئی اصول نہیں بنائے تو ہم نے کیونکر بنا رکھے ہیں یہ اصول؟" وہ بولی۔

"روشین سمجھنے کی کوشش کرو، میں نے سہیل بھائی سے بات کرلی ہے، وہ فارن کنٹری سے کوئی پیارا سا بچہ اڈاپٹ کرلیں گے۔" راحیل نے اسے سمجھایا۔

"تو تم غیر مسلم بچہ میری گود میں دینا چاہتے ہو جس کے جائز ہونے پر بھی شک ہو۔" وہ بھڑکی۔

"خدا کا واسطہ ہے تمہیں روشین، امی جان کبھی نہیں مانیں گی کہ ہم اپنی کام والی کا بچہ گود لیں۔" وہ بولا۔

"امی جان غیر مسلم مشکوک بچہ اڈاپٹ کرنے پر مان جائیں گی، اس بچے کے لئے نہیں مانیں گی' جو ہماری آنکھوں کے سامنے پیدا ہو۔" روشین کا سوال جائز تھا۔

"امی میری دوسری شادی کروانا چاہتی ہیں۔" اس کے منہ سے بالآخر وہ کچھ نکل ہی گیا جو دل میں تھا، روشین حیرت زدہ سی کھڑی اس شخص کو دیکھتی رہی' جو اس سے بے پناہ محبت کا دعویٰ کرتا تھا' آج فقط اولاد کا بہانہ بنا کر دوسری شادی کرنے کو تیار تھا۔

"اور تم... تم کیا چاہتے ہو راحیل؟" وہ خود پہ مسلسل ضبط کر رہی تھی۔

"برا ہی کیا ہے اس میں؟" راحیل کے دل کا چور بولا۔

روشین کئی لمحے اس کی چور آنکھوں کو دیکھتی رہی، چہرے پر اک تمسخر بھری مسکراہٹ آگئی۔

"بہانہ ملا نہیں کہ بیوی کو چھوڑنے کو بھی تیار ہو گئے؟ کتنی گہری محبت تھی تمہیں مجھ سے راحیل... واہ۔" وہ طنز سے بولی۔

"تمہیں چھوڑنے کی بات تو نہیں کی میں نے روشین، تم میری بیوی ہو، میری پہلی محبت ہو اور رہو گی۔" وہ بولا۔

"تو تھینکس مجھے اس شخص پہ کوئی اعتبار نہیں جو کسی بھی معمولی بات کو جواز بنا کر اتنی پرانی محبت کا نعم البدل ڈھونڈ لے' مجھے نہیں رہنا تمہارے ساتھ اگر تم دوسری شادی کر رہے ہو۔" وہ غصے میں گویا ہوئی۔

"بیوقوف مت بنو، میرا بچہ تمہارا بھی بچہ ہو گا، میرا خون ہو گا اور میں اسے تمہاری گود میں رکھ دوں گا تم ہی اسے پالنا، بڑا کرنا۔" وہ گویا اسے بہلانے لگا۔

"ہاں تاکہ تم اپنی نئی بیوی کے ساتھ زندگی انجوائے کر سکو۔" روشین کا وار برابر تھا، وہ بوکھلا ہی تو گیا تھا۔

"اب تو نازیہ کے بچے کو اڈاپٹ کرنے کا ارادہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گیا ہے، میں اسے گود لوں گی اور اسے پال پوس

کر بڑا کروں گی۔" وہ یقین سے بولی اور کمرے کا دروازہ عبور کر کے باہر چلی گئی، راحیل ششدر سا اسے کھڑا دیکھتا رہ گیا۔

گھر میں روشین کی نند آئیزہ اور ساس آگئے تھے' اور راحیل کی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

یہ سب گو کہ روشین کے لئے بہت تکلیف دہ تھا' لیکن یہ بھی اس کے لئے اللہ پاک کی طرف سے ایک امتحان تھا' اور اس کو صابر و شاکر رہنا تھا' اور اس امتحان میں سرخرو ٹھہرنا تھا، دل گو کہ کرب کے عالم میں تھا' اور یہ اذیت سہنی بہت بھاری پڑ رہی تھی، لیکن وہ جانتی تھی کہ تمام مشکلیں اور تکلیفیں اللہ ہی کی طرف سے ہیں' اور سوائے اس کے کسی میں طاقت نہیں کچھ بدلنے کی' اور وہ امتحان فقط اپنے چہیتے بندوں سے ہی لیتا ہے، لہٰذا اگر وہ چہیتی تھی' تو خوش نصیب تھی' اسی لئے اس نے اس امتحان کو بھی سر آنکھوں پر لیا تھا، وہ بس دن گن رہی تھی کہ کب نازیہ کا بچہ اس دنیا میں آتا ہے' اور اب وہ دن زیادہ دور نہیں تھا، آخری ہفتے رہ گئے تھے اور ثانیہ نے نازیہ کا بھرپور خیال رکھنے کا کہا تھا، گو کہ اب حالات پہلے جیسے نہیں تھے، اب اس کا اپنا گھر بھی اس کے لئے پرایا بن گیا تھا' اور اپنا شوہر بھی۔

وہ راحیل کو شادی کی تیاریاں کرتے دیکھ رہی تھی' تو حیران ہو رہی تھی کہ مرد کی ذات کتنی جلدی بدلتی ہے' اور کس انداز سے بدلتی ہے' یہ وہی شخص تھا' جس کی محبت کو اس نے بارہ طویل سال دیئے تھے اور اب وہی تھا' جو پہچانا نہیں جاتا تھا، اس نے آنکھیں ایسی پھیریں کہ پچھلا کچھ بھی یاد نہ رہا، گزرے تمام برس گویا ریت کے بگولوں کی طرح اڑ کر کھو گئے اور وہ پہلے کی طرح ہو گیا' جیسے کہ وہ بارہ برس کبھی اس کی زندگی میں آئے ہی نہ تھے۔

وہ راحیل کے نکاح کی رات تھی، گھر میں ڈھول' باجے شہنائیاں گونج رہی تھیں' اور وہ اپنا کمرہ بند کیے اس رات کی یادوں میں کھوئی تھی کہ جب وہ راحیل کی بنی تھی' اور زندگی بھر کے ساتھ کا دعویٰ کرنے والا

راحیل آج وہی دعوے اور وہی وعدے دوہرا رہا تھا' کسی اور کے ساتھ کو جو روشین کا حصہ تھے، اولاد نہ ہونے کا جواز کیا ملا' اس نے اپنا سب سے اچھا دوست اور ساتھی ہی کھو دیا تھا۔

وہ دیوار پہ ٹنگی شادی کی تصویر کو دیکھ کر اسی دن اور اسی شام کی یادوں میں کھوئی تھی' کہ جب اس کے سیل پہ بیل ہونے لگی، یہ نمبر نازیہ کا تھا' جو اس نے اسے بوقت ایمرجنسی فون کرنے کے لئے دیا تھا، اس نے فون اٹھایا، اسے پتہ چلا کہ ہسپتال جانے کا وقت آ گیا ہے وہ اٹھی، اپنی حالت درست کی اور پچھلے راستے کی سیڑھیاں اتر کے سرونٹ کوارٹر میں آئی' اور کسی طرح سے نازیہ کو گاڑی میں بٹھایا اور گاڑی نکالی، اب اس کے ذہن میں اور کچھ نہیں تھا سوائے اس کے کہ اس کے بچے کا عنقریب جنم ہونے والا ہے، وہ ماں بننے والی ہے' اور پھر نازیہ کو لیبر روم میں پہنچا کے وہ خود وہیں کاریڈور میں جائے نماز بچھائے اپنے پروردگار کے حضور سجدہ ریز ہو گئی' اور زار و قطار آنسو بہانے لگی۔

"میرا شوہر تو مجھ سے چھن گیا پروردگار لیکن یہ بچہ مجھے دے دینا، آج تک تو نے مجھے جن حالات کے سامنے رکھا میں سہہ گئی' میرے مالک، تیری آزمائش سمجھ کے قبول کرتی گئی' لیکن آج اگر کچھ چھینا تو سہہ نہیں پاؤں گی، آج میں ٹوٹ کر بکھر جاؤں گی، آج میں ریزہ ریزہ ہو جاؤں گی، تو... تو بن مانگے دیتا ہے پروردگار، میں تو تجھ سے ہاتھ پھیلا کے بھیک مانگ رہی ہوں پھر کیسے ممکن ہے کہ تو مجھے عطا نہ کرے، مانگنا میرا فرض ہے' اور عطا کرنا تیرا، مجھے عطا کر دے میرے رب، مجھے عطا کر دے۔" وہ رو رو کے گڑگڑا کے دعائیں مانگتی رہی اور نجانے وہ رات کا کون سا پہر تھا کہ جب ثانیہ نے اس کے ہاتھوں میں اک نومولود پھول سا بچہ رکھا وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

"مبارک ہو یہ چاند سا بیٹا تمہارا ہے۔" ثانیہ کے الفاظ اسے حیران کر گئے، وہ نومولود ہولے ہولے حرکت کرتے ہوئے ننھے سے وجود کو دیکھنے لگی، گلابی رنگت، کالی آنکھیں، بھنوؤں کی پتلی سی لکیر، ننھے ننھے ہاتھ پاؤں، یہ ہو بہو ویسا ہی تھا' جیسا اس نے تصور کیا تھا، جیسا اس نے مانگا تھا، وہ جائے نماز پہ بیٹھی تھی' اور اسے اس کے پروردگار نے اس

انعام سے دعا کی اس تکمیل سے نوازا تھا، اک طویل کربناک سفر کے بعد اسے منزل ملی تھی، اک اذیتناک ادھورے پن کے بعد اس نے اپنا مکمل حصہ پالیا تھا' آج وہ ماں بن گئی تھی۔

...☆☆☆...

رات کا نجانے کون سا پہر تھا، کہ جب وہ گھر لوٹی تھی' اس کے ہاتھ میں ننھا نومولود تھا' جسے اس نے سفید کمبل میں لپیٹ رکھا تھا پورے گھر پہ کئی دنوں کے بعد اک سکوت چھایا تھا، ہنسنے بولنے گیت گانے کی آوازیں کئی روز کے بعد اب معدوم ہوئی تھیں' شادی ہو چکی تھی، وہ اسی گھر میں اجنبیوں کی طرح دھیمے دھیمے قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی' جس گھر کو اس نے خود اپنے ہاتھوں سے سجایا' اور بنایا تھا' جس کی ایک ایک اینٹ اس نے اپنے خوابوں پہ سجائی تھی' اور اس نے اپنے اندر کی ہر اچھائی سے، ہر سچائی سے اس گھر کو سجانا چاہا تھا، لیکن پل میں کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ وقت کی اک ظالم سفاک لہر آئی اور صدیوں کی بوئی کھیتیاں بنجر کر کے چلی گئی، ایسا ہی ہوتا ہے کوئی ایک لمحہ سالوں کی محنت پہ پانی پھیر جایا کرتا ہے' برسوں کی مشقت پل میں دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔

وہ مرے مرے قدموں سے اوپر کی منزل پہ آئی' اس کے کمرے کے عین برابر وہ کمرہ تھا' جہاں پہ راحیل اپنی نئی دلہن کے ساتھ تھا' اور اس دروازے کے عین باہر روشین حسرت ویاس کی تصویر بنی کھڑی تھی۔

راحیل نے جو کیا وہ اس کے اپنے لئے درست تھا، لیکن روشین جس مقام پہ کھڑی تھی وہ اس اذیت سے خود بخوبی واقف تھی۔ اس کمرے کے دروازے کے ایک طرف اک کربناک حال اور دور تک ایک تاریک مستقبل تھا۔ فقط زندگی کی ایک موہوم سی امید روشین کے ہاتھوں میں کسی چراغ کی مدھم روشنی کی طرح ٹمٹما رہی تھی، یہ آنکھیں موندے لیٹا ننھا سا بچہ اس کے لئے جینے کا واحد سہارا تھا۔

رات بھر اپنے کمرے میں کھڑکی سے نظر آتے آسمان پہ آنکھیں ٹکائے وہ فقط یہی سوچتی رہی کہ ساتھ والے کمرے

یں راحیل کسی طرح سے اپنی نئی نویلی دلہن کی تعریفیں کر رہا ہوگا۔ عین اسی طرح سے جس طرح سے اس کے عارض و لب ورخسار کی تعریفیں کرتا' اور انہیں اپنا کہتا تھا۔

وہ تمسخر بھری ہنسی ہونٹوں پہ سجائے سوچتی رہی، مرد کتنی آسانی سے اپنے دل کے فریم کی تصویر بدل دیا کرتا ہے' اور کتنی آسانی سے گزشتہ دنوں کو بھول جاتا ہے' عورت بے شک کسی کی بھی کیوں نہ ہو جائے' اگر اس کی زندگی میں پہلے کوئی محبت تھی' تو اس کی یادیں سانپ بچھو بن کر تا بہ ابد اس کو ڈستی رہتی ہیں' خوشی کا ہر لمحہ اسے دکھی کر دیتا ہے' اور ماضی کا کوئی سفاک دروازہ کھل جاتا ہے اور گزشتہ لمحے اس کے جسم میں سوئیوں کی طرح چبھتے ہیں۔

کیا راحیل کے دل میں آج کی رات کوئی سوئی نہیں چبھی ہوگی، کیا ماضی کے کسی دروازے نے اس کے اندر کوئی دستک نہیں دی ہوگی، کیا یادوں کا کوئی بچھو کوئی سانپ اس کی شریانوں کو اس کی شہہ رگ کو ڈسنے نہیں آیا ہوگا؟ کیا آج کی رات اس کے لئے بے حد خوشنما و خوبصورت ہوگی؟ وہ رات بھر اسی طرح کے سوالوں کی غلام گردشوں میں بھٹکتی رہی اور صبح تک آنسو بہاتے بہاتے اس کی آنکھیں شل ہو چکی تھیں' اور ذہن ایک عجیب فیصلہ کر چکا تھا۔

صبح ہی صبح اس نے اپنا مختصر سا سامان باندھا' اور ننھے بچے کو گود میں اٹھایا اور کمرے سے باہر آئی اور بنا کچھ کہے دبے پاؤں راحیل کی زندگی اور اس گھر سے چلی آئی، جس کو وہ اتنے برس تک فقط اپنا سمجھتی

رہی' اور جو کہ حقیقتاً اس کا تھا ہی نہیں۔

اس کے بعد راحیل نے اس سے رابطے کی بہت کوشش کی' لیکن وہ نہیں گئی، ماں باپ بھائی بہنوں نے بھی بہت کہا کہ اکثر مرد دوسری شادی کر لیتے ہیں' یہ کوئی انوکھی بات نہیں، وہ تمہیں بھی اس کے ساتھ رکھنے کو تیار ہے' لیکن وہ اپنی محبت ہر گز بھی بانٹنے کو تیار نہ تھی' اس کے لئے اس کا بیٹا "ابیل" ہی کافی تھا۔

اس کے پاس جو تھوڑا سا زیور اور رقم موجود تھی' اس سے اس نے ایک عمارت خریدی اور وہیں پہ ایک پرائیویٹ

اسکول کھول لیا' جو کچھ مہینوں کی مشقت اور محنت کے بعد چل پڑا' اور بہت بہتر آمدنی ہونے لگی، روشین نے اپنے علاوہ تین اور ٹیچرز اپوائنٹ کر لیں، نازیہ بھی وہیں کام کرنے لگی۔ اور آہستہ آہستہ یہ عمارت یہ ادارہ ایک اچھے ادارے کی شکل اختیار کرتا چلا گیا، ابیل بھی بڑا ہو کر اسی اسکول میں پڑھنے لگا اور روشین کی زندگی نے ایک نئی سمت لے لی۔

وہ جان گئی تھی کہ اکائی کی طاقت بہت ہوتی ہے اور کچھ انسانوں کے اندر اللہ کی یہ صفت بھی ہوتی ہے کہ وہ اکیلے اپنی دنیا بنائیں اور اسے بنانے سنوارنے کی ہر ذمہ داری اپنے سر لے لیں' اور کن فیکون کہہ کر اپنا جہان بناتے جائیں، بناتے جائیں تو آج روشین کم از کم اپنی اور اپنے پروردگار کی آنکھوں میں سرخرو تھی۔

...☆☆☆...

یہ کسی مصروف سڑک کا ٹریفک سگنل تھا۔ عادل اپنے نئے دفتر سے واپس گھر کی طرف جارہا تھا۔ اچانک اس کی طرف کا سگنل ریڈ ہوا اور تمام ٹریفک رک گئی، سڑک کے ایک طرف رکنے والی اس کی گاڑی پہلی تھی، باقی کا ٹریفک اسی کے پیچھے رکا تھا، دوسری طرف کا ٹریفک کھل گیا تھا' اور گاڑیاں اپنی رفتار سے جانے لگیں، انہیں گاڑیوں کی بھیڑ میں عادل کو فاطمہ کا چہرہ نظر آیا۔ وہ دور دوسری جانب بس اسٹاپ پر دونوں بچوں کے ہمراہ کھڑی تھی، نظر پڑتے ہی وہ اپنی گاڑی سے اترا انجن بند کیا اور گزرتے ٹریفک کے کچھ کم ہونے کا انتظار کیا۔

"فاطمہ... فاطمہ... ذین۔" وہ دور سے ہی انہیں آوازیں دینے لگا۔ حیرت انگیز طور پر فاطمہ کی نظر بھی اس پہ پڑ گئی، درمیان سے گزرتی گاڑیاں تھم نہیں رہی تھیں۔ وہ اس تک جلد سے جلد پہنچنا چاہ رہا تھا، فاطمہ نے اسی اثناء میں دونوں بچوں کے ہاتھوں کو تھاما اور تیزی سے آگے بڑھنے لگی، وہ ہولے ہولے قدموں سڑک کے کچھ درمیان میں آچکا تھا۔ ایک تیز رفتار گاڑی نے عین اس کے پاس آکے بریک لگائی، شدید چرچراہٹ کی آواز ہوئی، باوردی ٹریفک کانسٹیبل

نے سیٹیاں بجائیں اور اسے ہٹ جانے کو کہا، لیکن وہ فاطمہ تک پہنچنا چاہ رہا تھا، جبکہ فاطمہ اس سے بھاگ جانا' چھپ جانا چاہتی تھی۔

اسی جنگ میں ایک بس سڑک کی دوسری طرف رکی اور فاطمہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی، وہ دوڑا دوڑا سڑک پار کر کے آیا' لیکن تب تک وہ بس میں بیٹھ چکی تھی، بس آگے بڑھ گئی تھی، وہ بس کے پیچھے دوڑنے لگا۔

"رکو فاطمہ، میری بات سنو، ایک بار میری بات سن لو، مجھے موقع دے دو۔" وہ دوڑ دوڑ کے کہہ رہا تھا، اس کا سانس بھی پھولنے لگ گیا تھا، آنکھوں میں آنسو آگئے وہ اسے روک نہیں پایا، وہ پھر دنیا کی بھیڑ میں کھو گئی۔

مرے مرے قدموں سے وہ واپس گاڑی تک آیا، ٹریفک کانسٹیبل گاڑی کا چالان کر چکا تھا، اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی' چالان کی رقم ادا کی اور گاڑی میں بیٹھ گیا، ایک ویران سڑک پہ آکے اس نے گاڑی روکی اور اسٹیئرنگ وہیل پہ گردن جھکا کے رونے لگ گیا۔

"کیوں کر رہی ہو تم ایسا میرے ساتھ؟ کس جرم کی سزا دے رہی ہو مجھے؟ میرے جرم محبت کی؟ کیا تم نے میری آنکھوں میں اپنے لئے محبت دیکھی ہے؟ اپنے لیے وہ خاص مقام دیکھا ہے؟ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم میرے لئے کیا ہو؟ کہاں تلاش کروں تمہیں؟ کہاں ڈھونڈوں؟ کس پتھر کو کھود کے نہریں نکالوں؟ کس بستی میں قیس کی طرح کپڑے پھاڑ کے پھروں؟ کس گاؤں میں مہینوال بن کے آؤں؟ بتاؤ مجھے کوئی اور سزا تجویز کرو میرے لئے، جدائی کی یہ سزا مجھے مت دو۔" وہ مضبوط باہمت مرد آج ایک کمزور سی لڑکی کے لئے آنسو بہا رہا تھا آج اس کے لئے ٹوٹ رہا تھا، ملتجی تھا کہ "میری آنکھیں خریدو گے؟ مجھے اک خواب کا تاوان بھرنا ہے۔"

...☆☆☆...

ان گزشتہ چند مہینوں میں ارسلان نے ماہا کے اپنے تئیں محبت اور سچائی بہتر طور پہ محسوس کی تھی، وہ جس طرح اس

کے لئے صبح اٹھتی، خود ناشتہ بناتی، کپڑے استری کرتی، اس کے ہر کام کا خیال رکھتی تھی، رات کو سونے سے قبل دودھ کا گلاس بلاناغہ اس کے کمرے میں پہنچاتی تھی، ارسلان نے اس محبت اور اپنائیت میں ممتا کا روپ محسوس کیا تھا اور بیک وقت اس نے ذوالفقار کا رویہ بھی ماہا کے لئے بخوبی محسوس کیا تھا اور وہ بہتر طور پہ جان گیا تھا کہ ماہا بھی اسی کی طرح اس گھر میں ایک Unwanted چیز ہے، جس کی وقت اور جس کی ضرورت شاید کسی کو نہیں اور یہی وجہ تھی کہ وہ ماہا کے قریب آ گیا تھا، اور اس سے دوستی کر لی تھی۔

گو کہ یہ رشتہ اوّل روز سے ایک ماں بیٹے کا ہی رشتہ تھا، لیکن پھر بھی اس رشتے نے ایک مقدس دوستی اور اٹوٹ بندھن کا روپ دھار لیا تھا، اور یہ دونوں کے لئے ہی اطمینان بخش تھا۔

ماں بیٹے کا یہ عجیب سا رشتہ تھا، جسے ذوالفقار نے بھی بخوبی محسوس کیا، وہ دونوں ساتھ کالج آتے، ساتھ کھانا کھاتے، ماہا کی ہاؤس جاب والے سال میں ارسلان نے میڈیکل کالج انٹر کیا اور میڈیسن کے پہلے سال میں داخل ہوا، ذلفی کو توقع ہی نہ تھی کہ اس کا بیٹا کبھی میڈیکل میں داخل ہو بھی سکے گا، لیکن یہ ماہا ہی کی توجہ اور محبت تھی جس نے یہ سب کر دکھایا۔

ان گزرتے سالوں نے ماہا کو شارق کا بہترین دوست بنا ڈالا تھا، گو کہ شارق نے شادی کر لی تھی، اور شارق کی بیوی صنم، ارسلان، ماہا اور شارق ان چاروں کی دوستی ایک مثالی دوستی بن گئی تھی۔ ان چاروں نے ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا تھا ایک دوسرے کو دوستی اور محبت کا ایک بھرپور احساس دیا تھا اور ان تمام رشتوں میں جکڑی ماہا کو اس بات کا غم ہی نہ تھا کہ ذوالفقار اس کے نہ ہو سکے تھے، اور ابھی تک اسی تخیل کی دنیا کے سہارے زندہ تھے۔ ماہا نے ان کی زندگی سے چلے جانے کی کبھی کوشش نہیں کی، کیونکہ اب اس کا بیٹا اس کا بہترین دوست ارسلان اس کی زندگی کا سرمایہ تھا، اور وہ اس کو بن ماں کے چھوڑ نہیں سکتی تھی، ارسلان کی تعلیم، تربیت اور پرورش ہی ماہا کی زندگی کا نصب العین تھا۔

علاوہ ازیں ماہا نے بطور چائلڈ اسپیشلسٹ اپنی پریکٹس کا آغاز کر لیا تھا' اور وہ شہر کی مشہور ڈاکٹر بن گئی تھی، ننھے بچوں سے اس کی محبت اس وقت زیادہ مطمئن ہوتی' جب کوئی ننھا فرشتہ اس کے ہاتھ سے شفا پاتا اور صحت یاب ہوتا اس نے بچوں کے لئے ایک ہاسپٹل بھی بنایا' جسے اس نے عین اپنی سوچ کے مطابق ڈھالا، یہ چھوٹا سا پرائیویٹ ہاسپٹل بچوں کے اسکول اور نرسری کی طرح لگتا تھا' جہاں آنے والے مریض بچے طرح طرح کے کھیل کھلونوں سے حرف و ہندسوں سے کھیلتے تھے، انجکشن لگانے والی نرسیں بچوں کو دوا کے ساتھ ٹافی اور چاکلیٹس دیتیں، ہر کمرے میں بچوں کے دیکھنے کے لئے ٹی وی اور کارٹون موویز ہوتیں' اور یہاں غریبوں اور یتیموں کا مفت علاج کیا جاتا، شہر کے تمام اسپیشلسٹ ڈاکٹر یہاں سرجری اور دیگر چیزوں کے علاج کے لئے بلوائے جاتے تھے' اور اس طرح ماہا نے اپنی محرومیوں کو شکست دے کر زندگی کی زرد چادر کو خوبصورت رنگوں سے بنا تھا، آج وہ بالکل تہی داماں نہ تھی' بلکہ وہ ایک بھرپور زندگی جی رہی تھی، اپنے لئے اور اپنے آپ سے جڑے کئی ہزاروں لاکھوں زندگیوں کے لئے۔

...☆☆☆...

یہاں ہر شخص ہر پل حادثہ ہونے سے ڈرتا ہے
کھلونا ہے جو مٹی کا فنا ہونے سے ڈرتا ہے
میرے دل کے کسی کونے میں اک معصوم سا بچہ
بڑوں کی دیکھ کر دنیا بڑا ہونے سے ڈرتا ہے
عجب ہے زندگی کی قید میں دنیا کا ہر انسان
رہائی مانگتا ہے اور رہا ہونے سے ڈرتا ہے

ہولے ہولے اذین عدنان اپنی گاڑی آج شہید فاؤنڈیشن کی اس عمارت کی طرف بڑھا رہا تھا' جس کی مینیجنگ ڈائریکٹر

اس کی اپنی ماں مسز فاطمہ عادل تھی' اور ہیڈ اس کے بابا عادل تھے، وہ خود اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد یو کے میں سیٹل ہو گیا تھا' اور وہیں اچھی پوسٹ پہ کام کرتا تھا۔ حرا کی شادی ہو چکی تھی' اور وہ شادی کے بعد اسلام آباد شفٹ ہو گئی تھی۔ ان گزشتہ پچیس سالہ اپنی زندگی میں اس نے بہت کچھ دیکھا تھا۔ ننھی سی آٹھ سالہ آنکھوں نے والد کی شہادت دیکھی' پھر اس کے بعد اس کی والدہ ان دونوں بھائی بہن کو لے کر ایک ورکنگ ویمن ہاسٹل میں شفٹ ہو گئی' اور اس کے پیارے بابا سے تمام ناطے توڑ ڈالے، نجانے کن مشکلات سے گزر کے عادل نے ایک سال بعد انہیں ڈھونڈ نکالا' اور اس طرح انہوں نے عادل کو دوبارہ پالیا، اس کی چٹان سی مضبوط ماں نے اسی انسان کا سہارا قبول کر لیا کہ جس نے اس کے لئے دنیا چھوڑ دی تھی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ صرف وہی انسان اس کے مرحوم شوہر سے ویسی محبت کر سکتا ہے' جیسی وہ خود کرتی ہے' اور ایسا ہی ہوا، وہ اپنے شہید شوہر سے ہمیشہ جڑی رہی، عادل نے اس کے بچوں کو اڈاپٹ تو کیا پر کبھی باپ کے خانے میں اپنا نام نہیں لکھا اور وہ حرا عدنان اور اذین عدنان کا سرپرست بنا رہا، دونوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی، بہترین زندگی اور بھرپور محبت دی۔

فاطمہ اور عادل نے مل کر شہید فاؤنڈیشن نامی ادارے کی بنیاد رکھی، جہاں تمام شہیدوں کی بیواؤں کو روزگار ملا، یتیموں کو تعلیم، خوراک اور کپڑے ملے، فاطمہ اور عادل نے ہر شہید کے خاندان کا سرپرست ہونے کا ذمہ اپنے سر لیا' اور اس اللہ کے امر کی پیروی کر کے ان لوگوں نے دلی سکون اور اطمینان پالیا۔

اذین عدنان آج سالوں بعد سفید رنگ کی اس بلند و بالا عمارت کے اندر آیا تھا' دور سے ہی اس کے بیسٹ فرینڈ بابا کی مسکراہٹ اسے نظر آ گئی، وہ گاڑی سے اترا، اس کی باوقار خوبصورت ماں نیلے رنگ کی کاٹن کی ساڑھی میں ملبوس مطمئن اور خوش تھی۔

ساتھ ہی بنے پلے گراؤنڈ میں کئی سارے بچے کھیل رہے تھے' اور اذین اپنی کھلی آنکھوں سے اپنے ہی جیسے بچوں کو دیکھ رہا تھا، فاطمہ اور عادل نے جس طرح کی شفقت انہیں دی، اسی طرح کی شفقت وہ ان تمام یتیموں کے نام کر رہے

تھے، تاکہ کل ان میں سے کوئی محرومی اور بھوک سے بھاگ کر دہشت گرد نہ بنے' اور کسی اور بچے کو یتیم نہ کرے' اور آگہی پھیلانے کا، زندگی کی زرد چادر کو خوشنما بنانے کا شاید یہی

طریقہ تھا۔

اذین عدنان بہت اطمینان اور سرشاری سے مسکرایا تھا' اور اپنی ماں کے قدموں تک اپنا ہاتھ لے گیا تھا، جواب میں سر پر شفقت سے آنے والا ماں کا ہاتھ اس کی متاعِ حیات تھا۔

...☆☆☆...

اور اب یونیورسٹی کے ٹاپ اسکورر کو اسٹیج پہ بلاتا ہوں کہ وہ آئیں اور اپنی ڈگری کے ہمراہ گولڈ میڈل حاصل کریں' "اور وہ ہیں ڈاکٹر ارسلان احمد۔" اسٹیج پہ نام اناؤنس ہوتے ہی تالیوں کی گونج اور شور میں ارسلان اپنی کرسی سے اٹھا' اور انتہائی فخر مند چال چلتا ہوا اسٹیج تک آیا' اور میڈل پہننے اور ڈگری لینے کے بعد وہ بہت فخر سے مائیک پہ گویا ہوا۔

یہ کامیابیاں عزت یہ نام تم سے ہے

اے میری ماں یہ سارا مقام تم سے ہے

"آج میں جو کچھ ہوں جہاں ہوں' صرف ایک ہستی کی وجہ سے ہوں۔ اگر وہ نہ ہوتیں تو ارسلان احمد آج اپنی ہی محرومیوں تلے دب گیا ہوتا، آج ارسلان احمد یا تو خودکشی کر کے مر چکا ہوتا' یا پھر کسی کونے میں نشہ کر کے پڑا ہوتا۔ انہوں نے میری مردہ ممی میں روح پھونکی۔ انہوں نے ہی میرے اندر میرے ہونے کا ادارک دیا۔ انہوں

نے ہی مجھ میں مجھی کو زندہ کیا۔ آج میں جو ہوں' انہی کی وجہ سے ہوں۔ماں آپ ہی میری زندگی ہیں۔گو کہ میری پیدائش میں آپ کا کوئی ہاتھ نہیں' لیکن میرے ہونے میں آپ کا ہاتھ ضرور ہے،اس میڈل کی حقدار آپ ہیں ماں، صرف آپ، آپ کی تالیوں میں میں بلاتا ہوں ڈاکٹر ماہا ذوالفقار کو، کہ وہ آئیں اور یہ میڈل مجھ سے لیں۔" ارسلان کی آنکھوں میں نمی تھی' اور ماہا کے آنسوؤں پہ بھی کوئی بند نہیں باندھا جا رہا تھا' صنم نے اسے اٹھنے کو کہا' اور وہ اپنی نشست سے اٹھی' پورا ہال جذبات سے بھیگا بھیگا تھا اور پھر سبھی کی دھندلاتی آنکھوں نے دیکھا کہ کس طرح ایک تقریباً ہم عمر بیٹے نے ماں کو اعزاز بخشا' اور سب سے زیادہ یہ منظر ذوالفقار احمد کے لئے حیرت ناک تھا' آج اس کی آنکھوں سے اس کی انا کا خول اترا تھا۔ آج اس نے ماہا کے شدید عشق کو اپنے اندر اپنی روح کے بہت اندر محسوس کیا تھا۔

...☆☆☆...

آج وہ بہت عرصے بعد اکیلی ساحل سمندر پر آئی تھی، نہ اس نے صنم کو بتایا تھا' اور نہ شارق اور ارسلان کو، اکیلے بیٹھی لہروں کی لڑائی دیکھ رہی تھی کہ جب اسے اپنے پاس کسی کے بیٹھنے کا احساس ہوا، اس نے مڑ کر دیکھا وہ ذوالفقار تھے۔
ارسلان نے بتایا کہ تم یہیں ملو گی، اس لئے یہاں آ گیا۔" وہ بولے۔"
کیا کہنے آئے ہیں آپ اور..." وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔"
بات بہت لمبی ہے، مختصر لفظوں میں کیسے کہوں؟ پھر بھی تمہارے اطمینان کے لئے صرف اتنا کہوں کہ مجھے معاف کر" دو۔ان تمام گزرے برسوں کے لئے کہ جب تم نے مجھے اپنا سب کچھ دیا' اور میں تمہیں کچھ نہیں دے پایا۔" وہ بولا۔
کیا برسوں کی تلافی لمحوں میں ہو سکتی ہے ذوالفقار۔" وہ بولی۔"
نہیں ہو سکتی اسی لئے تو آئندہ کی پوری زندگی مانگ رہا ہوں تلافی کے لئے' جو میرا اور تمہارا رشتہ ہے کم از کم اس کا" تو حق بنتا ہے ناں کہ میں تمام عمر تمہارے آگے دو زانو جھکا رہوں' اور تم سے معافی مانگتا رہوں۔" ذلفی نے اس کے

ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔

آپ کی جگہ ہمیشہ میرے دل میں تھی اور رہے گی۔" وہ بولی۔"

تو پھر تیار ہو ایک نئی زندگی کے لئے نئے روز و شب کے لئے۔" ذلفی کی آنکھوں میں نئی امیدوں کے جگنو چمک رہے تھے۔"

میں نے خواہشوں کی تتلیوں کا تعاقب چھوڑ دیا ہے۔" وہ بولی۔"

کبھی کبھی تتلیاں خود ہمارے باغوں کی طرف لوٹ آتی ہیں' جو خوشبوؤں کی سفیر ہوتی ہیں' کیا ان تتلیوں کو تم اب اپنی مٹھیوں میں پناہ نہیں دوگی؟ کیا مجھے تلافی کا موقع نہیں دوگی؟" وہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا۔"

ماہا کی آنکھوں سے دو اشک گرے اور ذلفی کی ہتھیلیوں پہ ٹھہر گئے' اور پھر لمبی تھکن کے بعد ماہا نے اپنا سر ذلفی کے کندھے پہ ٹکا دیا۔

**** ختم شد ****